رشید حسن خاں

مکتبہ پیامِ تعلیم، جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

عبارت کیسے لکھیں

رشید حسن خاں

مکتبہ پیامِ تعلیم۔ جامعہ نگر۔ نئی دلّی ۲۵

تقسیم کار
صدر دفتر:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی 110025

شاخیں:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی 110006
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنس بلڈنگ۔ بمبئی 400003
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ 202002

پہلی بار: مارچ ۱۹۹۴ء تعداد: 1000

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔

جناب مسعود احمد برکاتی

کے نام

جو بچّوں کے بہت اچّھے رسالے ہمدرد نونہال (کراچی)
کے اڈیٹر ہیں اور صحّتِ املا کا پیغام بچّوں تک
پہنچاتے رہتے ہیں۔

فہرست

پیش لفظ

عبارت، جملوں سے بنتی ہے اور جُملہ، دو یا زیادہ لفظوں سے بنتا ہے! اِس طرح بنیادی چیز لفظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے اِس پر بہت زور دیا جاتا تھا کہ لفظوں کو کس طرح لکھنا چاہیے۔ اگر ہم مُفرد لفظوں کو صحیح طور پر نہیں لکھ سکتے تو ہمارے لکھے ہوئے جملے بھی ٹھیک نہیں ہوں گے اور ایسے جملوں سے جو عبارت بنے گی، وہ بھی درست نہیں ہوگی۔

جب ہم نے انگریزی شروع کی تھی تو ہر لفظ کی اسپیلنگ یاد کی تھی۔ باربار تاکید کی جاتی تھی کہ اسپیلنگ ضرور یاد ہونا چاہیے۔ اِس میں کیا ہوتا تھا؟ یہی ناکہ لفظ میں کون کون سے حرف ہیں اور اُن کی ترتیب کیا ہے! ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کون سا حرف آئے گا اور اُس کے بعد کون سا حرف ہوگا۔ اِس کے ساتھ ساتھ اِس کی بھی مشق کرائی جاتی تھی کہ حرفوں کو لکھا کیسے جائے۔ یعنی تین باتوں پر خاص طور پر زور دیا جاتا تھا: (۱) لفظ میں حرف کون کون سے ہیں۔ (۲) اُن حرفوں کی ترتیب کیا ہے۔ (۳) اُن حرفوں کی لکھاوٹ کیا ہے ــــــ انھی تینوں باتوں کے مجموعے کا نام "اِملا" ہے۔

اب بات صاف ہوگئی کہ اُردو کے طالبِ علم کو بھی لفظوں کا صحیح املا معلوم ہونا چاہیے۔ ایک مثال سے اِس بات کو اچّھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ ایک لفظ ہے "اِزدِحام"۔ اِس میں چھے حرف ہیں۔ پہلا حرف الف ہے۔ دوسرا حرف زے ہے۔ تیسرا حرف دال ہے۔ چوتھا حرف حے ہے۔ پانچواں حرف الف ہے اور چھٹا حرف م

ہے۔ مان لیجیے کہ اِسے "ازدہام" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ املا غلط ہو گیا۔ چوتھا حرف تو ح ہے۔ اُس کی جگہ ہ لکھی گئی تو حرف بدل گیا اور املا غلط ہو گیا۔ یا کسی نے اِسے "اژدحام" لکھا۔ تب بھی کہا جائے گا کہ املا غلط ہو گیا۔ دوسرا حرف تو ز ہونا چاہیے۔ اُس کی جگہ ژ لکھی تو حرف بدل گیا۔

یا جیسے ایک لفظ ہے "تماشا"۔ اِس کے آخر میں الف ہے۔ اگر "تماشہ" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ یہ غلط املا ہے۔ یوں غلط ہے کہ آخری حرف تو الف ہے؛ جب اُس کی جگہ ہ لکھی تو حرف بدل گیا اور کسی لفظ میں جو حرف ہوتے ہیں، اُن کو بدل دینے کا ہمیں حق حاصل نہیں۔ اِسی لفظ سے ایک اور لفظ بنتا ہے "تماشائی"۔ اِس لفظ کو تو سبھی اِسی طرح لکھتے ہیں۔ اب ذرا سوچیے کہ اصل لفظ اگر "تماشہ" ہوتا تو اُس سے "تماشائی" کیسے بن سکتا تھا۔ "تماشہ" سے تو "تماشئی" بنتا۔ جیسے "پستہ" سے "پستئی"۔ ہاں جب "تماشا" لکھیں گے تب ہم کہہ سکتے ہیں کہ اِس سے "تماشائی" بنتا ہے۔

یہ تو ہوئی حرفوں کی بات، یعنی کس لفظ میں کون کون سے حرف ہیں اور اُن کی ترتیب کیا ہے۔ اِسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اُن حرفوں کو کس طرح لکھا جائے گا۔ اگر حرف کی لکھاوٹ درست نہیں، تب بھی یہی کہا جائے گا کہ اُس لفظ کا املا صحیح نہیں۔ مثال کے طور پر ایک لفظ ہے "گھر"، اِسے اگر "گہر" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ لفظ بدل گیا۔ یہ تو دوسرا لفظ ہے۔ فارسی کا ایک لفظ ہے "گُہَر"۔ اِس کے معنی ہیں: مُوتی۔ "لعل و گہر" میں یہی لفظ ہے۔ "گھر" میں "ھ" ہے۔ اِسے "دوچشمی ہ" کہتے ہیں۔ جب اِس کی صورت بدل گئی تو لفظ بدل گیا۔ اِسی طرح اگر ھے، ھو، ھیں، ھوا لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ اِن سب لفظوں کا املا غلط ہے۔ اِن کا صحیح املا ہے: ہے، ہو، ہیں، ہوا۔

یا جیسے ایک لفظ ہے "حسن"۔ یہ اکثر ناموں کے ساتھ آتا ہے، جیسے: محمد حسن۔ اگر اِسے "حسن" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ یہ صحیح لکھاوٹ نہیں۔ خرابی یہ ہے کہ س کے تین شوشوں کی جگہ دو شوشے لکھے گئے۔

یا جیسے ایک لفظ ہے "حمد" [اِس کے معنی ہیں: خدا کی تعریف]۔ اِسے اگر

"حمسد" لکھا جائے، تو کہا جائے گا کہ یہ املا درست نہیں۔ اِس میں حرف تو سب ٹھیک ہیں، اُن کی ترتیب بھی ٹھیک ہے، مگر حرفوں کا جوڑ ٹھیک نہیں۔ میم کے بعد کشش نہیں آنا چاہیے تھی۔ کشش سے یہ خرابی پیدا ہوگئی کہ ایک حرف (س) کا اضافہ ہوگیا۔ اب اِسے "حَ مْ سَ د" پڑھا جائے گا۔

مان لیجیے کسی صاحب نے یہ جملہ لکھا: "وہ تو اپنی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے"۔ کہا جائے گا کہ اِس جملے میں ایک خرابی ہے۔ خرابی یہ ہے کہ ایک لفظ کا املا درست نہیں۔ اصل لفظ ہے "دُکان"۔ اِس میں واو خواہ مخواہ بڑھا دیا گیا۔ یا جیسے یہ جملہ لکھا گیا: "اِس خط کا پہونچنا مشکل ہے"۔ اِس کے متعلق بھی یہی کہا جائے گا کہ اِس میں "پہونچنا" غلط لکھاوٹ ہے۔ اِسے "پہنچنا" لکھنا چاہیے تھا۔

اِس جملے کو دیکھیے: "تم تو میری بات سُنتے ہی نہیں"۔ اِس میں کسی لفظ کا املا غلط نہیں، اِس کے باوجود نظر رُکتی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ "سُنتے" میں اِتنے شوشے ایک ساتھ آگئے ہیں کہ خوب صورتی بھی ختم ہوگئی اور نظر بھی رُکتی ہے، اُلجھن ہوتی ہے۔ "سُنتے" لکھا جاتا تو نہ بدصورتی پیدا ہوتی نہ اُلجھن۔ یا جیسے "شمس" لکھا جائے، تب بھی یہی کہا جائے گا۔ اِس میں بھی حرف سب ٹھیک، ترتیب بھی درست، مگر شوشے اِس طرح آئے ہیں کہ حُسن ختم ہوگیا۔ "شمس" لکھا جاتا تو خوب صورتی بھی آجاتی اور پڑھنے والے کی نظر بھی کسی طرح کی اُلجھن سے دوچار نہ ہوتی۔ اور اگر "شمس" لکھا جاتا تو خوب صورتی کے ساتھ قلم کی روانی بھی بڑھ جاتی۔ بہت سے شوشے ایک ساتھ بنانے میں روانیِ قلم کی سانس ٹوٹنے لگتی ہے۔

یہ چھوٹی سی کتاب اِسی لیے مُرتّب کی گئی ہے کہ ہمارے طالب علموں کو املا کے بارے میں ضروری معلومات حاصل ہو سکے۔ اگر ہم مُفرد لفظوں کو صحیح طور پر نہیں لکھ سکتے تو ہمارے لکھے ہوئے جُملے بھی ٹھیک نہیں ہوں گے اور جس عبارت میں ایسے جملے ہوں گے، وہ عبارت بھی خرابیوں سے خالی نہیں ہوگی۔ اِسی نسبت سے اِس کتاب کا نام "عبارت کیسے لکھیں" رکھا گیا ہے۔

مکتبہ جامعہ نے ایک چھوٹی سی کتاب چھاپی تھی جس کا نام تھا: اُردو کیسے لکھیں، اُس میں بھی املا کا بیان تھا۔ کئی سال کے تجربے نے یہ بتایا کہ بہت سی ضروری باتوں

سے متعلق تفصیل کچھ کم ہے اور کچھ باتیں چھوٹ بھی گئی تھیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ اِس کتاب میں اُن کمیوں کو پورا کردیا جائے۔ توقع کی جاتی ہے کہ اِس کتاب سے ہمارے طالب علموں کو املا سے متعلق ضروری معلومات یک جا مل سکے گی اور اُن کی تحریر اُن خرابیوں سے محفوظ رہ سکے گی جن سے عبارت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور بدصورتی بھی اپنی جگہ بنالیتی ہے۔

رشید حسن خاں
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی
یکم فروری ۱۹۹۴ء

اچھی عبارت وہ ہے جس میں املا اور انشا کا کوئی عیب نہ ہو۔ املا کی غلطیاں بہت ہوتی ہیں، اِس لیے یہ ضروری ہے کہ املا سے متعلق قاعدوں کو ضروری تفصیل کے ساتھ لکھا جائے۔

ایک ادبی رسالے میں ایک صاحب کا مضمون شائع ہوا۔ یہ صاحب میرے جاننے والوں میں سے تھے۔ اُنھوں نے اپنے مضمون میں یہ مصرع بھی لکھا تھا:

حل ہو سکا نہ ہم سے معمّاے زندگی

جب مضمون پڑھا تو دیکھا کہ یہ مصرع اِس طرح چھپا ہوا ہے:

حل ہو سکا نہ ہم سے معمّۂ زندگی

سر پیٹ لیا، ناراض ہوئے اور بہت ناراض ہوئے۔ اُن سے پوچھا گیا کہ بات کیا ہے؟ کہنے لگے کہ میں نے "معمّاے زندگی" لکھا تھا اور یوں لکھا کہ شاعر نے اِسی طرح لکھا ہے۔ اِس لفظ "معمّا" کا صحیح املا بھی یہی ہے۔ اب میں دیکھ رہا ہوں کہ اِس کو "معمّۂ زندگی" بنا دیا گیا ہے۔ اِس سے دو خرابیاں پیدا ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ مصرعے کا وزن بگڑ گیا، یعنی وہ بحر سے خارج ہو گیا۔

دوسرے یہ کہ صحیح لفظ "معمّا" ہے۔ اِسے جب "معمّہ" لکھا گیا تو اِس لفظ کی شکل بدل گئی، یعنی املا غلط ہو گیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے

جیسے مرثیوں میں حضرت عباسؓ کو "سقّائے اہلِ بیت" بھی کہا گیا ہے۔ اسے اگر "سقّہٴ اہلِ بیت" لکھا جائے تو ایسے سارے مصرعے بحر سے خارج ہو جائیں گے اور صحیح لفظ "سقّا" بگڑ کر "سقّہ" بن جائے گا۔
ایسا ہی ایک واقعہ یا یوں کہیے کہ حادثہ میرے ساتھ بھی پیش آ چکا ہے۔ ایک مضمون میں میر کا یہ مشہور شعر میں نے لکھا تھا:

آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرھانے دھرے دھرے

جب مضمون چھپ کر آیا تو دیکھا کہ دوسرا مصرع اِس طرح لکھا ہوا ہے:

وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

اب میں حیران کہ کیا کہوں اور کیا کروں! یہاں بھی صرف یہ نہیں ہوا کہ لفظ کا املا بدل گیا، یہ بھی ہوا کہ مصرعے کا وزن تباہ ہو گیا، یعنی وہ بحر سے خارج ہو گیا۔ "سرھانے" اور "سرہانے" دونوں کا وزن الگ الگ ہے۔ "سرھانے" میں دو چشمی ھ ہے اور یہ "فعولن" کے وزن پر ہے۔ "سرہانے" میں ہائے ہوز ہے اور یہ "مفعولن" کے وزن پر ہے ــــــ لفظ کا املا بدل گیا اور اُس کی وجہ سے مصرعے کا وزن بگڑ گیا۔
املا کی غلطیاں بہت ہوتی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ہمارے طالب علموں کو اُن سے متعلّق ضروری معلومات حاصل ہو۔ اِس کے ساتھ ساتھ ہم سب کے لیے یہ ضروری ہے کہ لفظوں کا صحیح املا ہم کو معلوم ہو۔

○

صحیح املا کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کو اُس طرح لکھا گیا ہو جس طرح لکھا جانا چاہیے۔ املا کی تعریف اِسی لیے اِس طرح بھی کی گئی ہے کہ "املا لفظوں کی صحیح تصویر کھینچنا ہے۔" لفظ کے صحیح املا کے لیے چار باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:
(۱) کسی لفظ میں جن حرفوں کو آنا چاہیے، وہی لکھے گئے ہوں۔ جیسے "تلاطم"

میں پہلا حرف ت ہے، اس کو اگر "طلاطم" لکھا جائے، تو کہا جائے گا کہ یہ املا غلط ہے۔ یا جیسے "گزرنا" میں ز ہے؛ اس کو اگر ذال کے ساتھ "گذرنا" لکھا جائے، تو کہا جائے گا حرف بدل گیا۔

(۲) لفظ میں حرفوں کو جس ترتیب کے ساتھ آنا چاہیے، اُسی ترتیب کے ساتھ آئے ہوں۔ مثلاً ایک لفظ ہے "مُنہ"۔ اِس میں میم کے بعد نون ہے اور اُس کے بعد ہ ہے۔ اِسے اگر "مہنہ" لکھا جائے، تو اِسے غلط املا کہا جائے گا، اِس بنا پر کہ حرفوں کی ترتیب بدل گئی۔ اِسی طرح "مہندی" میں ("مُنہ" کی طرح) میم کے بعد نون ہے۔ اِسے "مہندی" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ حرفوں کی ترتیب ٹھیک نہیں۔ ("مُنہ" اور "مِنہ" میں پہلا ٹکڑا بالکل ایک جیسا ہے، لہٰذا حرفوں کی ترتیب بھی ایک جیسی رہے گی)۔

(۳) نقطے صحیح جگہ رکھے گئے ہوں۔ (۴) جو حرف ملا کر لکھے جاتے ہیں، اُن کے جوڑ ٹھیک ہوں اور اُن کی صورت بھی ٹھیک ہو۔ مثلاً ب کا جوڑ م کے ساتھ اِس طرح لگتا ہے: بم۔ اِسے اگر "بم" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ جوڑ صحیح نہیں۔ یا جیسے ب جب ش سے پہلے آتی ہے تو اُس کا جوڑ اِس طرح لگتا ہے: بش۔ اِس میں ب کے بعد جوڑ کا شوشہ نہیں آتا۔ اِسے اگر "بش" یا "بسیار" لکھا جائے، تو کہا جائے گا کہ جوڑ غلط ہے۔

○

یہ بات تو ہم سب کو معلوم ہے کہ اُردو میں ہم آواز حرف موجود ہیں۔ ہم آواز حرفوں سے مراد ایسے حرف ہیں جن کی شکلیں تو الگ الگ ہیں، مگر آواز ایک جیسی ہے۔ مثال کے طور پر اِن لفظوں کو دیکھیے: نظر، غضب، غزل، رذیل۔ اِن لفظوں میں دوسرے حرف کی جگہ ظ، ض، ز، ذ، چار حرف لکھے گئے ہیں؛ لیکن جب ہم اِن لفظوں کو زبان سے ادا کرتے ہیں، تو اِن چاروں حرفوں کی آواز ایک جیسی معلوم ہوتی ہے۔

اِس سلسلے میں ہم کو یہ بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لینا چاہیے کہ ہماری

زبان اُردو میں کئی دوسری زبانوں کے لفظ شامل ہیں، اِن میں عربی اور فارسی کے لفظوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ اِن دونوں زبانوں کے لفظ جس طرح اُن زبانوں میں لکھے جاتے تھے، اردو میں بھی اُسی طرح لکھے جانے لگے اور اب تک اُسی طرح لکھے جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ لفظ اپنا املا اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے ایک شخص یا بہت سے لوگ جب اُس ملک سے، جہاں کے وہ رہنے والے ہیں، کسی دوسرے ملک میں جاکر آباد ہو جاتے ہیں؛ تو اپنی شکل صورت بھی ساتھ ہی لے کر جاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ہندستان کا کوئی آدمی امریکہ میں، یا مثلاً افریقہ کے باشندے لندن میں جاکر رہنے لگیں، تو وہاں جانے کے ساتھ ہی اُن کی شکل صورت بھی بدل جائے؛ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ رہنے سہنے کے طور طریقوں میں تبدیلیاں ضرور ہو جاتی ہیں۔

لفظوں کی بھی یہی سرگذشت ہے۔ عربی، فارسی کے لفظ اُردو میں جب شامل ہوئے، تو اپنی شکل صورت، یعنی اپنا املا ساتھ لے کر آئے یہاں آکر اُن کا املا تو وہی رہا، لیکن تلفّظ میں اردو زبان کے قاعدے قانون نے اپنا عمل جاری کیا۔ عربی میں مثلاً ض اور ذال کے تلفّظ میں فرق ہے، مگر اردو میں اِن دونوں آوازوں میں کچھ فرق نہیں؛ اِس طرح اُردو میں عربی کی ایسی آوازوں کا فرق باقی نہیں رہا۔ جو لوگ دوسرے ملکوں میں جاکر آباد ہوتے ہیں، تو اُن کی شکل صورت تو وہی رہتی ہے؛ لیکن قاعدے قانون جس قدر ہیں، وہ سب اُسی نئے ملک کے جاری ہو جاتے ہیں اور اُن لوگوں کے لیے لازم ہوتا ہے کہ اُس نئے ملک کے قاعدے قانون کی پابندی کریں۔ اِسی عام قاعدے کے مطابق عربی کے لفظوں کا املا تو نہیں بدلا، مگر تلفّظ میں تبدیلی ہوئی۔ حرفوں کی شکلیں تو وہی رہیں؛ مگر عربی میں آوازوں کا جو فرق تھا، وہ یہاں آکر باقی نہیں رہا۔ عربی میں مثلاً ت اور ط کی آوازیں الگ الگ ہیں، لیکن اُردو میں دونوں حرف ایک ہی طرح تلفّظ میں آتے ہیں۔ "طاقت" اور "ترنّم" میں ت اور ط کی آواز بالکل ایک جیسی

ہے۔ اِس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اردو میں یا یوں کہیے کہ ہندستان میں آوازوں کا جو نظام ہے، اُس میں عربی کی طرح آوازوں کا وہ اختلاف موجود نہیں۔ اِس لیے عربی کے یہ مختلف آواز رکھنے والے حرف اردو میں آکر ہم آواز ہو گئے؛ البتہ اِن کی اصلی شکلیں محفوظ رہیں۔

اب اُصول یہ بنا کہ ایسے لفظوں کو (جن میں ہم آواز حرف آتے ہیں) لکھا تو اُسی طرح جائے گا جس طرح اب تک لکھا جاتا رہا ہے اور تلفّظ میں بھی یہ اُسی طرح آئیں گے جس طرح اُردو والے بولتے ہیں۔ ہم کو یہ حق حاصل نہیں کہ ایسے لفظوں کا املا بدل دیں۔ ہم مثلاً "غضب" میں ضاد ہی لکھیں گے اور "غزل" میں زے لکھیں گے، اِس میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کریں گے؛ البتہ بولیں گے اُسی طرح جس طرح اب تک بولتے رہے ہیں کہ ضاد اور زے کی آواز میں کچھ فرق نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص مثلاً "غزل" کو "غذل" لکھے گا (یا "گزرنا" کو "گذرنا") تو ہم کہیں گے کہ یہ املا غلط ہے۔ اِسی طرح اگر کوئی شخص مثلاً "غضب" میں ضاد کو زبان سے اُس طرح ادا کرے گا جس طرح قرآنِ پاک پڑھتے وقت، قرئت کے قواعد کے مطابق ادا کرتے ہیں، تو ہم کہیں گے کہ یہ اردو کا تلفّظ نہیں۔

○

یہ بہت ضروری ہے کہ ہم کو اچھّی طرح یہ بات معلوم ہو کہ کس لفظ میں کون کون سے حرف ہیں۔ آپ انگریزی کے لفظوں کی اسپیلنگ یاد کرتے ہیں، کیوں؟ اِسی لیے نا کہ یہ بات معلوم ہو کہ کس لفظ میں کون کون سے حرف ہیں۔ اگر آپ انگریزی کے کسی لفظ میں کوئی حرف بدل دیں، مثلاً A کی جگہ E لکھ دیں، یا ی کی جگہ ج لکھ دیں تو اُس کو غلطی مانا جائے گا اور کہا جائے گا کہ لفظ کو صحیح طور پر لکھیے۔ انگریزی کی تخصیص نہیں، ہر زبان کا یہی قاعدہ ہے۔ اردو میں بھی املا کا یہی قاعدہ ہے۔ اِس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم کو معلوم ہو کہ کس لفظ میں کون کون حرف لکھے جائیں گے اور یہ

بھی معلوم ہو کہ کس طرح لکھے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص کسی لفظ میں مثلاً ص کی جگہ س، یا ذال کی جگہ زے لکھ دے، تو کہا جائے گا کہ املا غلط ہو گیا۔

اِس سلسلے میں یہ بات بھی ذہن میں بٹھا لینے کی ہے کہ بعض دفعہ حرف کے بدل جانے سے لفظ کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر "دانا" اور "دانہ" کو دیکھیے۔ آخر میں الف لکھا جائے تو معنی ہوں گے، عقل مند۔ آخر میں ہ لکھی جائے، تو یہ لفظ ہی دوسرا بن جائے گا، جو مثلاً اِس جملے میں آیا ہے: چڑیا دانہ کھا رہی ہے ——— ایک لفظ ہے "آزر" یہ حضرت ابراہیمؑ کے والد یا چچا کا نام ہے۔ اِس میں زے ہے۔ اگر زے کی جگہ ذال لکھی جائے یعنی "آذر" لکھا جائے تو یہ لفظ بدل جائے گا۔ "آذر" کے ایک معنی ہیں: آگ۔ "آذر بائیجان"، جو ایک مشہور جمہوریہ ہے، اُس میں یہی لفظ "آذر" ہے (ذال کے ساتھ)۔

معلوم یہ ہوا کہ کسی لفظ میں کوئی حرف بدل جائے، تو عام طور پر یہی کہا جائے گا کہ اُس لفظ کا املا غلط ہو گیا، اور کبھی یہ بھی ہو گا کہ حرف کے بدلنے سے لفظ کے معنی بدل جائیں گے ——— اِس لیے ضروری ہے کہ ہم کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو کہ کس لفظ میں کون سے حرف ہیں۔

○

یہ بات آپ سب کو معلوم ہو گی کہ حساب میں صفر کی بہت اہمیت ہے۔ بڑی باتوں کو تو چھوڑیے، ایک چھوٹی سی بات یہ ہے کہ مثلاً ۲ (دو) سے پہلے صفر لگا دیجیے تو ۲۰ (بیس) بن جائیں گے (وغیرہ)۔ ہماری لکھاوٹ میں نقطے کی بھی یہی اہمیت ہے۔ ہمارے حروفِ تہجّی میں اکثر حرفوں کے گروپ ہیں، جیسے: ب، ت، ث۔ یا جیسے: ج، ح، خ۔ پہلی مثال میں کہنے کو تین حرف ہیں، لیکن در اصل شکل ایک ہے؛ نقطوں نے ایک ہی شکل سے کئی شکلیں بنائی ہیں۔ اِسی طرح دوسری مثال میں حرف چار ہیں، لیکن اصل شکل (ح) ایک ہی ہے؛ نقطوں نے ایک شکل سے کئی شکلیں بنائی

ہیں، یعنی کئی حرف بن گئے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ بہت سے حرفوں کی پہچان نقطوں سے ہوتی ہے۔

اسی سلسلے کی یہ بات بھی ہے کہ ایسے حرف زیادہ ہیں جو دونوں طرف سے ملا کر لکھے جا سکتے ہیں۔ حرفوں کو ملا کر لکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اُن کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل میں لایا جائے۔ جیسے ایک حرف ہے ب، جب یہ حرف لفظ کے آخر میں آتا ہے، تو اِس کو اِسی طرح لکھا جاتا ہے، جیسے: رب، جب۔ جب یہ شروع میں آتا ہے تو مختلف حرفوں کے ساتھ اِس کا جُوڑ الگ الگ شکلوں میں لگتا ہے، جیسے: بت، بج، بس۔ یوں اِس حرف کی دیا یوں کہیے کہ اِس گروپ کے پانچ حرفوں: ب، پ، ت، ٹ، ث کی چار شکلیں بنیں: ب، ب، بر، بل۔ (دو حرف اور ہیں جن کے جُوڑ بھی انھی پانچ حرفوں کی طرح لگتے ہیں۔ یہ حرف ہیں: ن، ی۔ جیسے: نب، نج، نس ___ یا، یخ، یس)۔

کسی لفظ میں صرف دو حرف ہوں، تو عام پر اس کے لکھنے یا پڑھنے میں اُلجھن نہیں ہوتی۔ اگر کوئی لفظ تین یا چار یا زیادہ حرفوں سے مل کر بنا ہو، اُس صورت میں اُلجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ جیسے ایک لفظ ہے "پپینا"، اِس میں پانچ حرف ہیں اور شروع کے چار حرف (جُوڑ کے لحاظ سے) ایک ہی گروپ کے ہیں، یوں ایک ہی طرح کے شوشوں کی صورت میں لکھے گئے ہیں؛ یعنی شروع کے چاروں حرفوں کی صورت ایک جیسی ہے، اِن کی پہچان صرف نقطوں کی مدد سے ہوتی ہے۔ نقطے اگر صحیح جگہ نہ رکھے جائیں تو اُلجھن پیدا ہو سکتی ہے۔

نقطوں کے بے جگہ ہونے سے لفظ کی لکھاوٹ بگڑ سکتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معنی بدل جائیں یا چوپٹ ہو جائیں۔ مثلاً ایک لفظ ہے "نبی"، (نَ ب ی)؛ اِس میں نقطے بالکل صحیح جگہ نہ ہوں، تو یہ "بنی"، (بَ ن ی) بن جائے گا۔ یا جیسے ایک لفظ ہے "رُجحان"، (رُ ج ح ا ن)؛ جیم کا نقطہ اپنی جگہ سے ذرا سا ہٹ جائے، تو اِسے "رُحجان"، پڑھا جا سکتا

ہے۔ (اِس لفظ کا یہ تلفّظ سُننے میں آیا ہے)۔ ایک لفظ ہے "بُزدل"
(بُ زدل) میں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ زے کا نقطہ اس طرح لگایا جاتا
ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شروع کا حرف نَ ہے یا بَ۔ "حسن سجزی" غالباً
اِسی پھیر میں آکر "حسن سنجری" بن گیا۔ نقطے جگہ سے بے جگہ ہو گئے ہوں گے
صحیح لفظ "سجزی" (س۔ ج۔ ز۔ ی) ہے۔ نقطوں کے پھیر بدل نے اِسے
"سنجری" (س۔ ن۔ ج۔ ر۔ ی) بنا دیا۔

عربی، فارسی، انگریزی، ہندی وغیرہ کے ایسے لفظ جن سے عام
طور پر لوگ واقف نہیں ہوتے، بعض اوقات اِس وجہ سے صحیح طور پر پڑھنے
میں نہیں آتے کہ نقطے صحیح جگہ نہیں ہوتے۔

اردو رسمِ خط کی ایک خوبی یہ بتائی جاتی ہے کہ کم وقت اور تھوڑی سی
جگہ میں زیادہ سے زیادہ لفظوں کو لکھا جا سکتا ہے؛ مگر نقطوں کے بے جگہ
لگا دیے جانے سے یہ خوبی خامی میں بدل جاتی ہے۔ رسمِ خط کو تو بدلا نہیں
جا سکتا، ہاں آسانی کے ساتھ اِس کا اہتمام کیا جا سکتا ہے کہ محض نقطوں
کی وجہ سے لفظوں کو صحیح طور پر پڑھنے میں مشکل نہ پیش آئے ــــــ
اِس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نقطہ صحیح جگہ لگا ہوا ہونا چاہیے۔

پرانے حکیم صاحبان نسخے اِس طرح لکھا کرتے تھے کہ پورے نقطے
نہیں لگاتے تھے، حرف بھی اچھی طرح نہیں بننے پاتے تھے۔ آپ کی تحریر
کو اُن پرانے نسخوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے۔

مُتحرِّک، ساکن، مَوقوف

شاہد صدیقی (مرحوم) اچھے شاعر تھے، حیدرآباد میں رہتے تھے، یہ شعر اُنھی کا ہے:

ایک پل کے رُکنے سے، دور ہو گئی منزل
صرف ہم نہیں چلتے، راستے بھی چلتے ہیں

کیسا اچھا شعر ہے! کیسی اچھی بات کہی گئی ہے! ہم اگر ترقّی کے راستے پر آگے نہیں بڑھیں گے، سوچتے رہیں گے، نئے خیالات سے گھبراتے رہیں گے تو دوسرے لوگ آگے بڑھ جائیں گے۔ کچھ چلنے والوں کے قدم رُک جائیں تو رُک جائیں، راستے چلتے ہی رہتے ہیں۔ جو لوگ جھجک کر ٹھہر جائیں گے، منزل اُن سے دور ہوتی جائے گی۔ منزل پر وہی پہنچیں گے جو چلتے رہیں گے۔

ایک مشہور قول ہے: حرکت میں برکت ہے۔ اِس کا مطلب بھی یہی ہے۔ کچھ کرو گے، تب کچھ ملے گا۔ یہ قدرت کا بنایا ہوا قانون ہے، اِس لیے اِس دُنیا کی کوئی چیز اِس کے دائرے سے باہر نہیں۔ مثال کے طور پر حرفوں کو لیجیے۔ حرفوں سے لفظ بنتے ہیں، مگر کب بنتے ہیں؟ جب حرف متحرّک ہوتے ہیں۔ الف سے لے کر ےؔ تک سب حرف کاغذ کے ایک صفحے پر لکھ دیجیے۔ یہ سب حرف لکھے رہیں گے، اِن سے کوئی لفظ نہیں بنے گا۔ جب کسی حرف پر کوئی حرکت آئے گی، یعنی زبر، زیر یا پیش آئے گا، تب اُس میں جُنبش پیدا ہوگی، وہ دوسرے حرف سے ملے گا اور لفظ بنے گا۔

کسی حرف کو لے لیجیے۔ مثلاً ایک حرف ہے جؔ۔ اِس کی شکل ایسی ہی رہے گی، اِس میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ یہ کسی اور کام بھی نہیں آئے گا، یوں کہ اِس میں حرکت نہیں۔ اب آپ یہ کیجیے کہ اِسے متحرّک کر دیجیے، یعنی زبر، زیر، پیش میں سے کوئی حرکت اِس پر لگا دیجیے۔ اِس میں جُنبش پیدا ہو جائے گی اور اب یہ دوسرے حرفوں سے مل کر نئے نئے لفظ بنا سکے گا

جیسے : جل، جو، جب، جام، جال، جلوہ، جاسوس۔

یہی وجہ ہے کہ لفظ میں جس حرف پر حرکت ہوتی ہے، اُسے متحرک کہتے ہیں۔ جس پر حرکت نہیں ہوتی، اُسے "ساکن" کہتے ہیں۔ جیسے "جل" میں جیم متحرک ہے، لام ساکن ہے۔ اِسی بات کو یوں بھی کہ سکتے ہیں کہ جیم پر زبر ہے، لام پر جزم ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے مناسب یہ ہوگا کہ حرکت اور جزم کو ایک دفعہ اور اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

۱۔ حرکت : زبر، زیر، پیش کو کہتے ہیں۔

۲۔ متحرک : وہ حرف جس پر زبر، زیر، پیش میں سے کوئی حرکت ہو۔

۳۔ جزم : وہ نشان جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حرف متحرک نہیں۔

۴۔ ساکن : وہ حرف جس پر جزم ہو اور اُس سے پہلے کوئی متحرک حرف ہو۔

مثلاً "قلم" میں قاف اور لام دونوں حرف متحرک ہیں اور میم ساکن ہے۔ یہ مشہور لفظ ہے، اِتنا مشہور کہ اس کو آسانی کے ساتھ صحیح طور پر پڑھ لیا جائے گا۔ ایسے سبھی لفظوں پر اِسی لیے زبر، زیر، پیش نہیں لگاتے۔ جزم کا نشان بھی نہیں بناتے۔ بس یہ مان لیتے ہیں کہ "قلم" میں قاف اور لام پر زبر ہے اور میم پر جزم ہے۔

ایک لفظ ہے "دل"، اِس سے کون واقف نہیں ہوگا۔ دل تو سبھی کے پاس ہوتا ہے اور متحرک رہتا ہے، یعنی دھڑکتا رہتا ہے۔ جب اِس کی حرکت ختم ہو جاتی ہے، یعنی ساکن ہو جاتا ہے، تو اچھا خاصا چلتا پھرتا آدمی بے جان ہو کر رہ جاتا ہے، موت آجاتی ہے۔ اِس لفظ میں دال متحرک ہے اور لام ساکن ہے، یعنی لام پر جزم ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے گا کہ ساکن حرف سے پہلے کوئی متحرک حرف ضرور ہوتا ہے۔ اِسی لفظ "دل" میں لام ساکن ہے۔ اِسے ساکن یوں کہا کہ اُس سے پہلے متحرک حرف دال ہے۔

ایک لفظ ہے "چُور"۔ اِس میں پہلا حرف چ ہے اور وہ متحرک ہے۔ دوسرا حرف ہے واؤ، وہ ساکن ہے۔ اِسے ساکن یوں کہا کہ اِس پر جزم ہے اور اس سے پہلے متحرک حرف ہے۔ آخری حرف ہے رے۔ جزم تو اِس پر بھی ہے، مگر اِسے ساکن نہیں کہیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اِس سے پہلے جو حرف ہے، وہ متحرک نہیں، وہ تو خود ساکن ہے۔ اِسے "موقوف" کہیں گے۔

مثلاً ایک لفظ ہے : جیت۔ اِس میں جیم متحرک ہے، ی ساکن ہے اور ت موقوف ہے۔ یا جیسے ایک لفظ ہے : مال۔ اِس میں میم متحرک ہے، الف ساکن ہے اور لام موقوف ہے، یا مثال

کے طور پر "جمال" کو لیجیے۔ اِس میں جیم متحرک ہے، میم بھی متحرک ہے۔ الف ساکن ہے اور لام موقوف ہے۔

قاعدہ یہ ہوا کہ جس حرف پر جزم ہو اور اُس سے پہلے متحرک حرف ہو، ایسے حرف کو "ساکن" کہیں گے۔ جس حرف پر جزم ہو اور اُس سے پہلے جو حرف ہو، اُس پر بھی جزم ہو، یعنی وہ ساکن ہو، تو ایسے حرف کو "موقوف" کہیں گے۔

ایک مصدر ہے: گانا۔ اِس سے بہت سے فعل بنتے ہیں، جیسے: گائے۔ گاتا ہے، گائے گا۔ (وغیرہ) محمود سے کہو کہ گانا گائے۔ اِس جملے میں "گائے" فعل ہے۔ اِس میں چار حرف ہیں: گ، ا، ء، ے۔ اس لفظ میں گاف متحرک ہے، الف ساکن ہے، ہمزہ متحرک ہے، یے ساکن ہے۔ (گا۔ ءِ۔ ے)۔

ایک اور جملہ ہے: گاے دودھ دیتی ہے۔ اِس میں بھی "گاے" آیا ہے، مگر یہ دوسرا لفظ ہے، اِس میں تین حرف ہیں: گ، ا، ے۔ پہلا حرف گاف متحرک ہے۔ دوسرا حرف الف ساکن ہے اور تیسرا حرف یے موقوف ہے۔ اِسے اگر "گائے" لکھا جائے، تو لفظ بدل جائے گا، کیوں کہ "گائے" میں تو چار حرف ہیں اور آخری حرف موقوف نہیں، ساکن ہے۔ اِس مصرعے کو دیکھیے:

رب نے ہماری گاے بنائی

اِس میں "گاے" تین حرفی لفظ ہے۔ پہلا حرف متحرک ہے، دوسرا حرف ساکن ہے اور تیسرا حرف موقوف ہے۔ "گائے" لکھا جائے گا تو یہ چار حرفی لفظ بن جائے گا اور اِس میں پہلا حرف متحرک ہے، دوسرا حرف ساکن ہے۔ تیسرا حرف (ء) متحرک ہے اور چوتھا حرف ساکن ہے اور یہ "گانا" مصدر سے بنایا ہوا فعل ہوگا، جیسے: اب موہن گانا گائے گا۔

پرسوں کی بات ہے کہ میرے ایک پڑھے لکھے دوست بازار جا رہے تھے۔ راستے میں ایک دیوار پر لکھا ہوا تھا: "ہر وقت چائے کا وقت"۔ کہنے لگے: جس چیز کا نام صحیح طور پر نہیں لکھا جا سکا، وہ چیز بھلا کیا اچھی ہوگی! مطلب اُن کا یہ تھا کہ اصل لفظ "چاے" ہے۔ یہ تین حرفی لفظ ہے۔ پہلا حرف متحرک ہے۔ دوسرا حرف ساکن ہے اور تیسرا حرف موقوف ہے۔ جب اِسے "چائے" لکھا تو لفظ بدل گیا۔ یہ تو چار حرفی لفظ ہے۔ اِس میں پہلا حرف متحرک ہے، دوسرا حرف ساکن ہے، تیسرا حرف متحرک ہے اور چوتھا حرف بھی ساکن ہے (چاءِے)۔

مرزا غالب کو بھلا کون نہیں جانتا ہوگا۔ مرزا صاحب ایک بار کلکتے بھی گئے تھے۔ یہ شہر اُن کو بہت پسند آیا تھا۔ اِس کے متعلق اُنھوں نے لکھا ہے:

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں! اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!

ایسے کئی شعر ہیں، سب کے آخر میں "ہائے ہائے" آتا ہے۔ اگر کوئی صاحب غلطی سے ان میں سے کسی ایک شعر میں "ہائے ہائے" لکھ دیں، یعنی ‌ے پر ہمزہ بھی بنا دیں تو یہ پورا ٹکڑا بگڑ جائے گا۔ اس لیے کہ اصل لفظ ہے: ہاے۔ اِس لفظ میں بھی تین حرف ہیں: ہ۔ ا۔ ے۔ آخری حرف ‌ے موقوف ہے، کیوں کہ اُس سے پہلے الف ہے اور وہ ساکن ہے۔ جب اِسے "ہائے" لکھا تو اِس میں ایک حرف بڑھ گیا۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ الف اور ‌ے کے بیچ میں ہمزہ کے آجانے سے ‌ے ساکن ہوگئی، موقوف نہیں رہی۔ کسی لفظ کو اِس طرح اپنی طرف سے بدل دینے کا کسی کو حق نہیں۔ مرزا صاحب اگر زندہ ہوتے اور "ہائے ہائے" ہمزہ کے اضافے کے ساتھ لکھا ہوا دیکھتے، تو لکھنے والے پر بہت بگڑتے، اُسے بہت بُرا بھلا کہتے۔ اُنھوں نے ایک خط میں یہ لکھا ہے کہ ایسی ‌ے پر ہمزہ لکھنا، عقل کو گالی دینا ہے۔

ایسے کچھ لفظوں کو اچھی طرح یاد کر لیجیے۔ اِن سب میں ‌ے موقوف ہے:

آبناے، چاے، راے، براے، بجاے، واے، ہاے، سواے، گاے۔

آبناے باسفورس میں جنگی جہاز موجود ہیں۔ زیادہ چاے پینے سے صحت خراب ہو جاتی ہے۔ آپ کی راے کیا ہے۔ براے خدا یہ کام کر دیجیے۔ اُن کے بجاے اب کون آئے گا۔ وہ تو ہاے ہاے کرتے ہی رہتے ہیں۔ ہاے واے کرتے رہنے سے کیا تمھارے کام بن جائیں گے؟ سواے خدا کے کسی کا آسرا نہیں۔ گاے دودھ دیتی ہے۔

سبق کو دُہراتے رہنا اچھا ہوتا ہے۔ اِس سے بات آنکھوں میں بیٹھ جاتی ہے اور دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ اِسی لیے ہم بھی اِن ضروری باتوں کو دُہرا لیتے ہیں، اِس طرح:

۱۔ متحرک: وہ حرف جس پر زبر، زیر یا پیش ہو۔

۲۔ ساکن: وہ حرف جس پر جزم ہو اور اُس سے پہلے کوئی متحرک حرف ہو۔

۳۔ موقوف: وہ حرف جس پر جزم ہو اور اُس سے پہلے کوئی ساکن حرف ہو۔

جیسے ایک لفظ ہے: جَوْر۔ اِس میں پہلا حرف (جیم) متحرک ہے۔ دوسرا حرف (واو) ساکن ہے اور تیسرا حرف (رے) موقوف ہے۔ اسی طرح ایک لفظ ہے: راے۔ اس میں پہلا حرف (رے) متحرک ہے۔ دوسرا حرف (الف) ساکن ہے، تیسرا حرف (‌ے) موقوف ہے۔

ایک لفظ ہے: جائے۔ اِس میں پہلا حرف متحرک ہے، دوسرا حرف ساکن ہے۔ تیسرا حرف (ہمزہ) متحرک ہے اور چوتھا حرف (‌ے) ساکن ہے۔ اسی طرح گئے، پائے، آئے، کھائے (وغیرہ)۔

میں جب مدرسے میں پڑھتا تھا تو حکایتوں کی ایک کتاب گلزارِ دبستان میں ایک دل چسپ حکایت پڑھی تھی۔ ایک بے پڑھا لکھا شخص محلّے کے ایک پڑھے لکھے صاحب کے پاس خط لکھوانے کے لیے آیا۔ اُن صاحب نے کہا کہ میں خط تو لکھ دیتا، مگر میرے پیر میں بہت درد ہے، چل پھر نہیں سکتا۔ اُس شخص نے کہا کہ خط تو آپ ہاتھ سے لکھیں گے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ بھائی! میں جب کوئی خط لکھتا ہوں، تو اُس کو پڑھنے کے لیے بھی مجھی کو جانا پڑتا ہے۔

یہ بہ ظاہر تو حکایت ہے، لیکن حقیقتاً اِس میں ایک بہت ضروری بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ایسی لکھاوٹ، جس کے پڑھنے میں دوسروں کو مشکل پیش آئے، بڑی خامی ہے۔ یاد رکھیے کہ تحریر کے بگاڑ سے خود لکھنے والے کی شخصیت گہنا جاتی ہے۔ پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ شخص یا تو بہت اول جلول ہے یا بہت بے پروا ہے۔ سب کا خط اچھا ہو، اِس کی اُمّید نہیں کرنا چاہیے! لیکن ہاتھ روک کر اور قلم سنبھال کر لکھا جائے تو بھدا پن تو پیدا نہیں ہوگا۔

الف جب لفظ کے شروع میں آتا ہے تو ہمیشہ متحرک ہوتا ہے، جیسے: اَب۔ جب درمیان میں آتا ہے، تو متحرک بھی ہو سکتا ہے اور ساکن بھی، جیسے: تَاَمّل، کہ اِس میں الف متحرک ہے اور ”جانور“ میں ساکن ہے۔ لفظ کے آخر میں جب آتا ہے تو ساکن ہوتا ہے، جیسے: جا۔

الف کی دو قسمیں ہیں (۱) الفِ ممدودہ: وہ الف جس پر مد ہو، جیسے: آگ۔ (۲) الفِ مقصورہ: جس پر مد نہ ہو، جیسے اَب۔

الفِ ممدودہ کے سلسلے میں ایک بات خاص طور پر ذہن میں رکھنے کی ہے۔ دو لفظوں کے بعض ٹکڑے ایسے بھی ہیں کہ اُن کے دوسرے لفظ کا پہلا حرف الفِ ممدودہ ہے، جیسے: دل آزار۔ ایسے مرکبات میں دونوں لفظوں کو الگ

الگ لکھا جائے تو اُس صورت میں عام طور پر مد ضرور لگایا جاتا ہے۔ جب بعض لوگ قاعدے کے خلاف دونوں لفظوں کو ملا کر لکھتے ہیں، تب مد غائب ہو جایا کرتا ہے، جیسے: دلارام، دلاویز، دلازار۔ یہ لکھاوٹ ٹھیک نہیں۔ اِن کا صحیح املا ہے: دل آرام، دل آویز، دل آزار، دل آرا۔۔۔۔۔۔
مختصر بات یہ ہے کہ الفِ ممدودہ پر مد ضرور لکھنا چاہیے۔
الفِ مقصورہ جب لفظ کے شروع میں آتا ہے، تو عام طور پر اُس کے لکھنے میں کسی طرح کا جھگڑا نہیں ہوتا۔ ہاں جن لفظوں کے آخر میں یہ آتا ہے، تو کچھ لفظوں میں غلطی سے یا اَن جانے میں اُس کی جگہ ہ لکھ دی جاتی ہے۔ جیسے ایک لفظ ہے "بھروسا"، اِسے بعض لوگ "بھروسہ" لکھ دیتے ہیں۔ یا جیسے صحیح املا ہے: معمّا اور تماشا، اَن جانے پن کے سبب سے اِن کو "معمّہ" اور "تماشہ" بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صحیح املا نہیں۔

○

مرزا غالب کا مشہور شعر ہے:

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب!
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

دوسرے مصرعے میں "تماشائے اہلِ کرم" آیا ہے، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح لفظ "تماشا" ہے۔ اِسے اگر "تماشہ" لکھا جائے، تو کہا جائے گا کہ اِس لفظ کو صحیح طور پر نہیں لکھا گیا۔ سامنے کی بات ہے کہ اصل لفظ اگر "تماشہ" ہوتا، تو اُس سے "تماشۂ اہلِ کرم" بنتا۔
اِسی "تماشا" سے "تماشائی" بنا ہے۔ اگر "تماشہ" ہوتا تو "تماشائی" بن ہی نہیں سکتا تھا۔ "تماشا" کے آخر میں "ئی" بڑھا کر اسمِ فاعل بنا لیا گیا ہے۔ جیسے "سودا" سے "سودائی" اور "حلوا" سے "حلوائی"۔
اِس لفظ "تماشا" کی طرح کے کئی لفظ ہیں جن کے آخر میں الف ہے؛ لیکن کبھی بے خیالی میں اور کبھی نہ جاننے کی وجہ سے ایسے بعض لفظوں

کے آخر میں ہ لکھ دی جاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن لفظوں کا املا غلط ہو جاتا ہے۔ مثلاً "ناشتا" اور "تقاضا" کے آخر میں الف ہے؛ انھیں اگر "ناشتہ" اور "تقاضہ" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ لفظ کی شکل بگڑ گئی۔ یا جیسے "مربا" (جسے لوگ شوق سے کھاتے ہیں) اسے اگر "مربہ" لکھا جائے، تو اُس کا مزہ تو خیر نہیں بگڑے گا، لیکن لفظ کی صورت ضرور بگڑ جائے گی۔

یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جن لفظوں کے آخر میں الف ہے، تو الف ہی لکھا جائے، اُس کی جگہ ہ نہ لکھی جائے۔ ایسے خاص خاص لفظ یہ ہیں:

الجبرا، الغوزا، بقایا، تماشا، تقاضا، تمغا، چُغا، حلوا، خُرما، سقا، شوربا، عاشورا، طغرا، قورما، معمّا، ملغوبا، مُچلکا، مربّا، ناشتا۔

فانی بدایونی کا مشہور مطلع ہے:

اک معمّا ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے، خواب ہے دیوانے کا

ذرا دیر کے لیے مان لیجیے کہ پہلے مصرعے کو آپ نے اس طرح لکھا:

اک معمّہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

تو کہا جائے گا کہ آپ نے املا کی ایک غلطی کی۔ غلطی یہ ہے کہ صحیح لفظ تو "معمّا" ہے، اُس کو آپ نے "معمّہ" لکھا، لفظ کی صورت بگڑ گئی۔

○

ایک اور بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے۔ ایسے بھی کئی لفظ ہیں کہ اُن کے آخر میں الف لکھا جائے، تو ایک معنی ہوں گے اور ہ لکھی جائے، تو معنی بدل جائیں گے۔ مثال کے طور پر کوئی صاحب لکھیں کہ "چڑیا دانا کھا رہی تھی"، تو کہا جائے گا کہ لفظ بدل گیا۔ یا مثلاً یہ لکھا جائے کہ "وہ شخص بہت دانہ تھا"، تو یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ لفظ بدل گیا۔ "دانا" اور "دانہ" دو

مختلف لفظ ہیں۔ آدمی دانا ہوتا ہے ("دانا" کے معنی ہیں: عقل مند) اور چڑیا دانہ کھاتی ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا لقب "زَہرا" ہے اور "زَہرہ" کے معنی ہیں: پِتّا (اور "زُہرہ" ایک ستارے کا نام ہے) ــــــ "سایا" ایک پوشاک کا نام ہے اور درخت یا دیوار کا "سایہ" ہوتا ہے۔ خواجہ آتشؔ لکھنوی کا شعر یاد آیا:

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے ہے
ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

"نالہ و فریاد" کی ترکیب تو آپ نے سُنی ہو گی۔ اِس میں "نالہ" ہے اور "ندی نالا" میں "نالا" ہے ــــــ "آسیبہ" نام ہے اور "آسیا" چکّی کو کہتے ہیں (وہی آٹا پیسنے والی) ــــــ "چارا" جانوروں کی خوراک کے کام آتا ہے اور تدبیر کے معنی میں "چارہ" ہے۔ اِسی سے "بے چارہ" بنا ہے اور "چارہ گر" میں بھی یہی لفظ ہے۔

"شیوا" کے معنی ہیں: فصیح و بلیغ۔ اِسی سے "شیوا بیان" بنتا ہے۔ "شیوہ" اِس سے مختلف لفظ ہے، اِس کے کئی معنی ہیں، مثلاً: ناز و ادا، طرز و روِش۔ جیسے: بُتِ ہزار شیوہ۔ شیوۂ بندگی۔

غرض کہ ایسے بہت سے لفظ ہیں جن کے متعلق ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اُن کے آخر میں الف لکھا جائے گا یا ہ لکھی جائے گی ــــــ مثال کے طور پر ایک اور لفظ کو لیجیے۔ عربی کا ایک لفظ ہے "طالب"، اِس کی جمع "طَلَبہ" ہے۔ اِسے "طلبا" نہیں لکھنا چاہیے۔ مثلاً یہ جملہ: "درجۂ پنجم کے طلبا حاضر تھے" اِس میں املا کی غلطی ہے۔ یوں لکھنا چاہیے تھا: درجۂ پنجم کے طَلَبہ حاضر تھے (ط اور ل، دونوں پر زبر ہے)

اِسی طرح "صوفی" کی جمع "صوفیہ" ہے، اِسے "صوفیا" نہیں لکھنا چاہیے۔ اضافت کی صورت میں مثلاً "صوفیۂ کرام" لکھا جائے گا۔ اگر "صوفیائے کرام" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ اِس میں املا کی غلطی ہے ــــــ اِسی طرح

"دوا" کی جمع "ادویہ" ہے۔ اِن تینوں لفظوں کو خاص طور پر یاد رکھنا چاہیے۔

طَلَبہ ، صوفیہ ، اَدوِیہ۔

قاعدہ یہ ہے کہ جن لفظوں کے آخر میں الف ہے، اُن کے آخر میں الف کے بجائے ہ نہیں لکھنا چاہیے۔ اِسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ جن لفظوں کے آخر میں ہ ہے، اُس کی جگہ الف نہیں لکھنا چاہیے۔

لفظ کے آخر میں الف ہے یا ہ، اِس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ ہائے مختفی (وہ ہ جو لفظ کے آخر میں آتی ہے اور آواز کے لحاظ سے الف کا سا کام کرتی ہے) عام طور پر عربی اور فارسی لفظوں کے آخر میں آتی ہے، جیسے:

بستہ، مرثیہ، گذشتہ، رفتہ، رتبہ، مرتبہ، درجہ، طَلَبہ، صوفیہ، اَدوِیہ، قبضہ، دستہ، سایہ، پایہ، رقبہ، تکیہ، قبالہ، کعبہ، مکّہ، مدینہ، شُعلہ، غصّہ، جُثّہ، صفحہ، آموختہ، غنچہ، شگفتہ، طبقہ، نظریہ، نذرانہ، تجربہ، خاتمہ، جذبہ، مُردہ، پژمُردہ، معرکہ، مسئلہ، مباحثہ، مناظرہ، جلسہ، جامعہ، مقدّمہ۔

جو لفظ عربی یا فارسی کے نہیں، اُن کے آخر میں عام طور پر الف آتا ہے۔ ایسے لفظ جو استعمال میں زیادہ آتے ہیں اور جن کے آخر میں الف لکھنا چاہیے، اُن میں سے کچھ لفظ نیچے لکھے جاتے ہیں:

آنولا، آریا، اُپلا، اڈّا، اکھاڑا، انگارا، انگوچھا، انگوٹھا۔ —— باٹا، باجرا، باجا، باڑا، بتاشا، بٹّا، بٹوا، بسولا، بچارا، بگولا، بُلبُلا، بمبا، بنجارا، بُندا، بنگلا، بھٹّا، بُھٹّا، بھروسا، بھوسا، بھیجا، بیڑا، بہڑا، بچھوا، بہی کھاتا۔ —— پاٹھ شالا، پنسیرا، پارا، پانسا، پپوٹا، پپیتا، پتّا، پٹّا، پتا، پٹاخا، پٹارا، پٹکا، پسینا، پلّا، پُلندا، پُلیا،

پپیا، پپیا، پپیہا، پَیسا۔
تاگا، تارا، تاشا، تانگا، تمنچا، توبڑا، تولیا، تھانا، تیجا۔
ٹٹھنا، ٹکا، ٹوکرا، ٹکیا، ٹوٹکا، ٹولا، ٹھپا، ٹھسا، ٹپکا۔
جوتا، جانگیا، جتھا، جھروکا، جُھمکا، چبوترا، چکما، چونا،
چھاتا، چھاپا، چُٹیا، چٹورا، چٹاخا، چٹخارا۔
دسہرا، دَونا، دوپٹا، دلاسا، دلیا، دُوسا، دھاگا، دُھتّا،
ڈاکیا، ڈکوٹا، ڈبّا، ڈبیا، ڈراما، ڈلیا، ڈونگا، ڈھانچا،
ڈھکوسلا۔
رائتا، راجا، رجواڑا، رڈا، رکشا۔
سندیسا، سمجھوتا، سروتا، سموسا ــــــــ شلوکا،
شوالا، شہدا۔
غُلّا، قتلا۔
کتھّا، کٹورا، کڑا، کڑا، کلھیا، کلیجا، کمرا، کھاتا، کھاجا، کھانچا
کُرتا، کیلا، کیمرا، کیوڑا۔
گانجا، گتّا، گٹّا، گٹھا، گڑھیا، گُلگلا، گھونسا، گھونسلا۔
ـــ لاسا، لاما، لالا، لٹھا، لپکا، لنگوٹا۔
مارکا (جیسے: شیر مارکا)، مرغا، مرہٹا، مسالا، ملبا، مورچا،
جھتا، ہوبا، ہینا، نہتا۔
ہتّا، ہچکولا، ہنسیا، ہنڈولا، ہمالا، ہلکورا، ہنڈیا۔

○

قاعدہ یہ ہے کہ ہ (یعنی ہائے مختفی) صرف عربی یا فارسی لفظوں کے آخر میں آتی ہے۔ ایسے باقی جتنے لفظ ہیں، وہ ہندی کے ہوں، انگریزی کے ہوں، یا کسی اور زبان کے؛ اُن کے آخر میں الف آتا ہے، جیسے: ڈراما، کمرا، بھروسا، پسینا، کتھّا، چونا، سندیسا (وغیرہ)۔

○

قاعدہ تو یہی ہے اور یہی رہے گا؛ مگر یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ قاعدوں میں کچھ لچک ضرور ہوتی ہے اور یہ بھی ایک قاعدہ ہے۔ اِس قاعدے کو قواعد کی زبان میں ''اِستِثنا'' کہتے ہیں۔ ''استثنا'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قاعدہ تو وہی رہے گا جسے بیان کیا گیا ہو، عام طور پر لفظوں کو اُسی قاعدے کے مطابق لکھا جائے گا؛ البتّہ چند لفظ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو اُس قاعدے میں شامل نہیں ہوں گے۔ اِسی کے ساتھ یہ بات بھی نظر میں رہنا چاہیے کہ استثنا کسی بھی قاعدے میں ہو، اُس کا دائرہ چھوٹا اور بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ اگر اُس کو وسعت دی جائے گی، مثلاً اِسی قاعدے میں زیادہ لفظوں کو شامل کرنے کی کوشش کی جائے گی، تو پھر وہ استثنا نہیں رہے گا۔

استثنا کے اِس قاعدے میں سب سے پہلے تو بعض شہروں کے نام آتے ہیں، جیسے: آگرہ، امروہہ، بٹالہ، لدھیانہ، پٹنہ، پٹیالہ، کلکتّہ (ایک دو یا دو چار نام اور بھی ہو سکتے ہیں)۔ یہ عربی یا فارسی کے لفظ نہیں، مگر اِن کو اِسی طرح لکھا جائے گا۔ اِس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ خاص نام ہیں اور اِسی طرح لکھے جاتے رہے ہیں۔ اِن کے املا کو اگر بدلا جائے (مثلاً ''کلکتّہ'' کو ''کلکتّا''، یا ''پٹنہ'' کو ''پٹنا'' لکھا جائے) تو اِن کی صورت کچھ اِس طرح بدل جائے گی کہ بگڑ جائے گی ـــــــ ہاں، جو کم معروف یا غیر معروف نام ہیں (جیسے: دھمورا، پلکھوا، کٹھوا، سنبھالکا وغیرہ) اِن سب کے آخر میں الف ہی لکھا جائے گا۔

ستیہ وان، ستیہ جیت رے، مدھیہ پردیش، ساہتیہ اکیڈمی، راجیہ سبھا؛ یہ سب خاص نام ہیں۔ یہ بھی اِسی طرح لکھے جاتے ہیں اور اِن کو اِسی طرح لکھنا چاہیے۔

اردو کا ایک اور لفظ بھی اِسی قاعدے کے تحت آتا ہے اور وہ ہے ''پر'' کا مخفّف ''پہ''۔ مرزا غالب کا شعر ہے:

میں بلاتا تو ہوں اُس کو، مگر اے جذبۂ دل!
اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے

اِس "پہ" کے سلسلے میں ایک اور بات بھی بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ لفظ دو معنوں میں آتا ہے۔ ایک تو اُس معنی میں جس میں یہ اِس شعر میں آیا ہے اور کبھی یہ "لیکن" کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے مرزا غالب کے اِس شعر میں:

گو واں نہیں، پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے اِن بُتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

اِس شعر میں یہ لفظ "لیکن" کے معنی میں آیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اصل لفظ "پر" کے دو معنی ہیں: اوپر، لیکن۔ اُس کے مخفّف "پہ" کے بھی یہی دونوں معنی برقرار رہے۔ بس ذرا سا فرق یہ ضرور پیدا ہو گیا ہے کہ اب یہ لفظ "لیکن" کے معنی میں بہت کم استعمال میں آتا ہے۔

اِس لفظ "پہ" کے سلسلے میں ایک اور بات بھی کہنے کی ہے۔ پہلے جوشؔ ملیح آبادی کی ایک رُباعی نقل کرتا ہوں:

تقدیر کے دائرے میں آنا ہی پڑا
سر، پائے مشیّت پہ جُھکانا ہی پڑا
واقف تھیں مآلِ گُل سے کلیاں، لیکن
پھوٹی جو کرن، تو مُسکرانا ہی پڑا

اگر جوشؔ صاحب زندہ ہوتے اور اُن کے سامنے مَیں دوسرے مصرعے میں "پائے مشیّت پہ" پڑھتا تو وہ بہت ناراض ہوتے اور ڈانٹ کر کہتے: "پائے مشیّت پَہ" کہو۔ یعنی "پَہ" (زبر کے ساتھ) پڑھو۔ دلیل یہ دیتے کہ "پر" میں پ پر زبر ہے، اِس لیے اُس کے مخفّف "پہ" میں بھی اُس پر زبر آئے گا۔

لکھنؤ میں عام طور پر پڑھے لکھے لوگ "پَہ" ہی کہتے ہیں۔ اِس کے برخلاف دہلی میں زیادہ لوگوں کی زبان سے "پِہ" (پ کے نیچے زیر) سننے میں آیا

ہے۔ میں نہ دہلی کا ہوں نہ لکھنؤ کا، اِس لیے اِس پھیر میں نہیں پڑتا؛ "پہ" کو بھی صحیح سمجھتا ہوں اور "پَہ" کو بھی درست سمجھتا ہوں۔ بہ قولِ اقبال:

اقبال! لکھنؤ سے نہ دلّی سے ہے غرض
ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

رہی عادت کی بات، وہ دوسری چیز ہے؛ مثلاً یگانہ چنگیزی کی رباعی ہے:

یارانِ چمن! آگ برسنے کی ہے دیر
روؤ گے بہت، برق کے ہنسنے کی ہے دیر
پھولوں سے لدی ہوئی دُلھن کیا جانے
اِن تازہ گلوں پہ رات بسنے کی ہے دیر

میں جب اِس رُباعی کا چوتھا مصرع پڑھتا ہوں، تو بے اختیاری میں میری زبان سے "گلوں پَہ" نکلتا ہے؛ لیکن کوئی شخص "گلوں پہ" کہتا ہے تو کسی طرح کا اعتراض میرے ذہن میں پیدا نہیں ہوتا۔

○

بہت سے مُفرد لفظ ایسے ہیں جو اصل کے لحاظ سے تو عربی یا فارسی کے ہیں، مگر اردو میں اُن کی شکل صورت اِس طرح بدل گئی ہے کہ اب وہ اصل سے بے تعلق ہو گئے ہیں۔ اُن کی شکل صورت دیکھ کر صاف طور پر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ لفظ یہیں بنے ہیں۔ ایسے لفظوں کے آخر میں بھی الف لکھنا چاہیے ایسے کچھ لفظ یہ ہیں۔

اکّا، بزریا، بدلا، بسترا، بعضا، پُرسا، پسندا، جگرا، چادرا، خرچا، زنخا، غُبارا، مسالا، نشیلا، نصیبا، نفرا، ہرجا (ہرجا خرچا)۔

○

بہت سے ایسے مرکب لفظ ہیں جن میں ایک ٹکڑا (یعنی ایک لفظ) عربی یا

فارسی کا ہے (جیسے: امام باڑا) یا پھر ایسے مرکب لفظ ہیں جن میں دونوں ٹکڑے یعنی دونوں لفظ عربی یا فارسی کے ہیں، مگر اُردو میں آکر اُن میں کوئی ایسی تبدیلی ہوگئی ہے کہ اُن میں اُردوپن آگیا ہے (جیسے: نو دولتا)۔ ایسے لفظوں کے آخر میں بھی الف لکھنا چاہیے۔ ایسے کچھ لفظ:

آب خورا، اُٹھائی گیرا، ادلا بدلا، امام باڑا، اک درا، اک منزلا، بے سُرا، بُزدلا، بد قوما، بے پیرا، بے اُستادا، بے اصولا، بے صبرا، بے فکرا، بے مرشدا، بے وارثا، پنج گوشیا، پنج محلا، تھڑدِلا، تِماہا، تِراہا، تِسالا، تمنزلا، جوشیلا، چوگوشیا، چوراہا، چوطرفا، چورستا، چومحلا، چومنزلا، چومیخا، چوبغلا، چوپارا، دوپٹا، دورُخا، دونسلا، دومنزلا، دومحلا، دورنگا، شکرپارا، شیخی خورا، صبح خیزیا، کم ہمتا، کلاّ بتّجرا، کیڑا لتّا، مَیل خورا، ناشکرا، ندیدا، نو دولتا، نوگزا، نمک پارا، ہرجا خرچا۔

عربی میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لفظ کے آخر میں ی لکھی جاتی ہے، مگر پڑھنے میں الف آتا ہے (جیسے: اعلیٰ)۔ اُردو میں یہ ہوا ہے کہ ایسے لفظوں کو بعض لوگ پُرانے انداز ہی سے لکھتے ہیں اور کچھ لوگ ی کی جگہ الف لکھتے ہیں، اور بعض لفظ ایسے ہیں کہ اب اُن کے آخر میں صرف الف لکھا جاتا ہے (جیسے: مدّعا، مولا (مولا بخش) ماجرا، مربّا)۔

انجمن ترقیِ اردو (ہند) نے یہ طے کیا تھا (اُس زمانے میں اُس کے سکریٹری بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم تھے) کہ اُردو میں ایسے بھی لفظوں کے آخر میں الف لکھنا چاہیے۔ ایسے اہم لفظ یہ ہیں:

ادنا، اعلا، اعما، اقصا، بُشرا، تعالا، تقوا، تولاّ، دعوا، سلما، شوُرا (مجلسِ شوُرا) صغرا، طوبا، طوُلا (یدِطولا) عقبا، فتوا، قوا، کُبرا، کِسرا، لیلا، ماجرا، ماوا، متبنّا، مُثنّا، مُجلاّ، مُخلاّ، مُدّعا،

مُربّا، مُستثنا، مسمّا، مُصفّا، مُصلّا، مُعلّا، مُقفّا، مُنادا، مُنقّا،
مولا، نصارا، وُسطا (مشرقِ وسطا)، ہُدا، ہیولا۔
ان سب لفظوں کے آخر میں الف لکھنا چاہیے۔
عیسیٰ، موسیٰ، یحییٰ؛ یہ ہیں تین خاص نام اور یہ اِسی طرح لکھے جاتے ہیں؛ ہاں جب " عیسائی " لکھتے ہیں تو اُردو کے تلفظ کے مطابق س کے بعد الف ہی لکھا جاتا ہے۔
" مصطفا " رسول اللہؐ کا صفاتی نام ہے " مرتضا " کلمۂ صفت کے طور پر عام طور پر حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ آتا ہے اور " مجتبا " بھی کلمۂ صفت ہے، جو رسول اللہؐ کے نام کے ساتھ آتا ہے؛ اِن کو " مصطفیٰ، مرتضیٰ، مجتبیٰ " بھی لکھا جاتا ہے۔ اگر اِن تینوں لفظوں کے آخر میں بھی الف لکھا جائے، تو کچھ ہرج نہیں، بل کہ یہ زیادہ مناسب صورت ہوگی۔ " مطبعِ مصطفائی " مشہور پریس تھا اور " مطبعِ مجتبائی " بھی معروف چھاپا خانہ تھا۔ اگر کوئی شخص " عیسا، موسا، یحیا " لکھے تو اِس لکھاوٹ کو غلط نہیں کہنا چاہیے (عیسائی تو سبھی لکھتے ہیں)۔ اِسی طرح " عیسیٰ، موسیٰ، یحییٰ " کو بھی صحیح ماننا چاہیے۔ اِن تینوں لفظوں کے دونوں املا اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں۔
مولا ـــــــ: اِس کے آخر میں تو عام طور پر الف لکھا جاتا ہے (مولیٰ شاید ہی کوئی لکھتا ہو)۔ اِسی سے " مولا بخش " بنا ہے۔ اضافت کی صورت میں مثلاً " مولائے کائنات " لکھتے ہیں۔ اِسی سے " مولانا " بنا ہے۔ بعض لوگ عربی کی لکھاوٹ کی پیروی میں " مولیٰنا " لکھتے ہیں، اِسے " مولانا " لکھنا چاہیے۔
علاحدہ ـــــــ: اِسے بعض لوگ " علیٰحدہ " لکھ دیتے ہیں۔ اُردو میں اِس کو " علاحدہ " لکھنا چاہیے۔ اِسی سے " علاحدگی " بنا ہے۔ لفظوں کی لکھاوٹ کو خواہ مخواہ مشکل نہیں بنانا چاہیے۔

کچھ لفظ ایسے ہیں جن میں الف کی آواز تو شامل ہے، مگر عربی کی لکھاوٹ میں اُن کو ایک خاص طرح یعنی الف کے بغیر لکھا گیا ہے۔ اُردو میں ایسے بعض لفظ تو اُردو کے تلفظ کی مطابقت میں الف کے ساتھ لکھے جاتے ہیں، جیسے: لقمان، شیطان (عربی کا خاص املا: لقمٰن، شیطٰن)، اور بعض لفظ دونوں طرح لکھے جاتے ہیں، جیسے: رحمٰن، رحمان ــــــــ انجمن ترقیِ اردو نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ایسے سبھی لفظوں میں الف لکھنا چاہیے۔ مناسب یہی ہے کہ ایسے لفظوں میں الف لکھا جائے۔ ایسے کچھ لفظ:

ابراہیم، اسحاق، اسماعیل، رحمان، زکات، سلیمان، شیطان، صلات، لقمان، مشکات، یاسین۔

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک بات کی وضاحت کر دی جائے۔ قرآنِ پاک میں بہت سے لفظوں کا املا خاص طرح کا ہے، جسے "قرآنی املا" کہنا چاہیے۔ میں سورۂ توبہ سے بعض الفاظ کا املا نقل کرتا ہوں:

سمٰوٰت، ھٰرون، یوم القیٰمۃ، اصحٰب، جنّٰت، درجٰت، صٰلحٰت، طیّبٰت، اَنْھٰر۔

اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "قرآنی املا" ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ اِس میں تو کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی جا سکتی؛ مگر عام تحریر میں اِس کی پابندی لازم نہیں، ہو بھی نہیں سکتی۔ عربی کی عام کتابوں میں ایسے بہت سے لفظوں میں الف لکھا ہوا ملتا ہے۔ اردو میں ایسے لفظوں کو، تلفظ کے مطابق الف کے ساتھ لکھنا چاہیے۔

ایک لفظ ہے "اِلٰہ"۔ اِس میں لام کے بعد پورا الف نہیں لکھا جاتا۔ اِسی سے "الٰہی" بنا ہے اور اِس سے "الٰہیات"۔ یہ لفظ اِسی طرح لکھے جاتے ہیں، یہ اِن کی متعارف اور مانوس شکلیں ہیں؛ اِس لیے اِن لفظوں کو اِسی طرح لکھنا چاہیے اور اِسے اِستثنا سمجھنا چاہیے۔

ایک اور لفظ ہے "لہذا"، اِس کو بھی اِسی طرح لکھا جاتا رہا ہے اور اِس لفظ کی بھی یہ مانوس شکل ہے؛ اِس وجہ سے اِس کو بھی اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اِس سلسلے کے مستثنا لفظ یہ ہوئے:

الٰہ، (الٰہ آباد) الٰہی، الٰہیات، لہذا۔

○

لفظِ "اللہ" ایک خاص طرح لکھا جاتا ہے۔ اِس میں دو لام ہیں اور دوسرے لام پر تشدید ہے؛ مگر دوسرے لام کو پہلے لام کی طرح پورا نہیں لکھا جاتا، اُس کو شوشے کی شکل میں بنا دیا جاتا ہے۔ یہ خاص نام ہے۔ چوں کہ شروع سے اب تک خطِ نستعلیق میں اِس کو اِسی طرح لکھا جاتا رہا ہے اور اِس وجہ سے یہ اِس کی متعارف اور مانوس شکل بن گئی ہے؛ اِس بنا پر اِس کو اِسی طرح لکھنا چاہیے؛ مگر یہ بات ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ کتابت کے لحاظ سے اِس میں دو لام ہیں اور یہ کہ دوسرے لام کو شوشے کی شکل میں لکھا جاتا ہے، اُس پر تشدید لکھی جاتی ہے اور تشدید پر چھوٹا سا الف بھی بنا دیا جاتا ہے (اللّٰہ)۔ ہاں جب خطِ نسخ میں اِسے لکھتے ہیں، تو اُس خط کے قواعد کے مطابق دوسرا لام پورا لکھا جاتا ہے (اللّٰه)۔

اِسی سے "للہ" بنتا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ "للہ تم یہ کام نہ کرو"۔ اِس کو کبھی اَن جانے میں "للہ" لکھ دیا جاتا ہے، یہ سمجھ کر "للہ" میں تو ایک ہی لام آیا ہے؛ مگر یہ خیال غلط ہے۔ "للہ" میں دو لام آئے ہیں۔ ایک تو واضح طور پر اور دوسرا شوشے کی شکل میں۔ (خطِ نسخ میں اِسے "لله" لکھا جاتا ہے اور اِس کتابت میں دوسرا لام بھی واضح طور پر آتا ہے۔ یہ نستعلیق اور نسخ کے طریقۂ کتابت کا فرق ہے)۔

○

ایسے مرکّب لفظ اُردو میں اچھی خاصی تعداد میں ہیں جنھوں نے عربی کے قاعدے

کے مطابق ترکیب پائی ہے، جیسے: عظیمُ الشّان (عظیم۔ ال۔ شان) ایسے مرکّب لفظ دو طرح کے ہوتے ہیں: ایسے مرکّبات جن میں الف اور لام دونوں تلفّظ میں نہیں آتے، جیسے: عبدالصّبور۔ ایسے مرکّب جن میں لام تلفّظ میں آتا ہے، جیسے: شمسُ الہدا، عبدالمنّان۔

الف لام کی ترکیب کے لحاظ سے حروفِ تہجّی کی دو قسمیں کی گئی ہیں: حروفِ شمسی، حروفِ قمری۔ حروفِ شمسی وہ حرف ہیں کہ اُن سے پہلے جب ترکیب کے لیے "الف لام" آتے ہیں، تو لام تلفّظ میں نہیں آتا۔ حروفِ شمسی یہ ہیں:

ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن۔

جیسے: شمسُ الزّماں، مسیحُ الزّماں، عبدالرّحمان، بالتّرتیب، عبداللّطیف، فی الدّارین، عند الطّلب، وَالشّمس، عبدالسّتّار۔

حروفِ قمری وہ حرف ہیں کہ اُن سے پہلے جب ترکیب کے لیے "الف لام" آتے ہیں، تو لام تلفّظ میں شامل رہتا ہے۔ حروفِ قمری یہ ہیں:

ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی۔

جیسے: عبدالجبّار، بِالفعل، عبدالقوی، عبدالباری، عبدالحق، عبدالخالق، عبدالغفور، عبدالقدیر، عبدالکریم، عبدالودود۔

مناسب یہ ہوگا کہ ایسے خاص خاص لفظوں میں لام اگر تلفّظ میں آئے، یعنی ساکن ہو، تو اُس پر جزم لگا دیا جائے اور الف سے پہلے جو حرف ہو، اُس پر جو بھی حرکت ہو (زبر، زیر، پیش) اُسے ضرور لگا دیا جائے، جیسے: بِالْفعل، ہاں مشہور ناموں میں اِس کی ضرورت نہیں۔

جن لفظوں میں لام تلفّظ میں نہیں آتا، ایسے خاص خاص لفظوں میں لام کے بعد جو حرف ہو، اُس پر تشدید ضرور لگائی جائے اور الف سے پہلے جو حرف ہو، اُس پر زبر، زیر، پیش (جو بھی ہو) ضرور لگایا جائے۔ جیسے: وَالشّمس بِالتّرتیب۔ ہاں مشہور ناموں میں اِس کی ضرورت نہیں۔

آنَا اُلحق ـــــــ : یہ عربی کا ٹکڑا ہے مگر اردو میں مستعمل ہے۔ اِس میں دو الف ایک ساتھ آئے ہیں۔ لفظِ "انا" کے آخر میں جو الف ہے، وہ اِس لفظ کا جزو ہے ("انا" کے معنی ہیں: ہم)۔ دوسرا الف جو "الحق" کے شروع میں آیا ہے، وہ ترکیب کا ہے۔ کبھی جلدی میں اور کبھی نہ جاننے کے سبب اِسے "انا لحق" لکھ دیا جاتا ہے، یہ ٹھیک نہیں۔ "اَنَا اُلحق" لکھنا چاہیے۔

اَنَا البحر ـــــــ : یہ ٹکڑا بھی "اَنَا الحق" کی طرح ہے۔ غالب کا شعر ہے:

دلِ ہر قطرہ، ہے سازِ اَنَا البحر
ہم اُس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا

لفظِ "اَنَا" کے بعد ترکیب کا "الف لام" آئے گا، تو ہمیشہ دو الف ایک ساتھ آئیں گے، جیسے: انا المعبود، اَنَا البحر، انا الحق۔

عبداللّطیف ـــــــ : اِس میں ایک الف اور دو لام ہیں (عبد۔ ال لطیف)۔ پہلا "ال" ترکیب کا ہے۔ اِسے "عبدالطیف" لکھنا غلط ہوگا۔

بارات، داوات ـــــــ : دونوں لفظوں میں ایک الف، یعنی پہلا الف زائد ہے۔ اِن کا صحیح املا "برات" اور "دوات" ہے۔ یہ ویسی ہی غلطی ہے جیسے کچھ لوگ "دوکان" اور "پہونچنا" لکھتے ہیں کہ اِن میں واو زائد ہے۔ صحیح املا ہے: دُکان۔ پہنچنا۔

اُش اَش ـــــــ : اش اش کرنا یا اش اش کر اٹھنا اِسی سے بنتے ہیں۔ جیسے ایک مُستزاد کا یہ مصرع:

تصویر تری دیکھ کے اے رشکِ مسیحا سب کرتے ہیں اش اش

یا جیسے ناسخ کا یہ شعر:

دشتِ غُربت مقامِ اش اش ہے ‏ ‏ ‏ ہم سفر وہ ہے جس پہ جی غش ہے

اِس کو الف کے بجائے عین سے "عش عش" لکھنا ٹھیک نہیں۔ اُردو کے جس قدر بڑے لُغت ہیں، (فرہنگِ آصفیہ، نور اللّغات، امیر اللّغات سرمایۂ زبانِ اُردو) سب میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ صحیح لفظ "اش اش" ہے۔ اِسی طرح لکھنا چاہیے۔

آبیر ـ عبیر ـــــــ : دونوں لفظ اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ "آبیر" ہندی کا لفظ ہے۔ اِس کے معنی ہیں: "ابرک کا بُرادہ، جو ہولی کے دن ہندو آپس میں ایک دوسرے پر چھڑکتے ہیں"۔

"عبیر" عربی کا لفظ ہے، اِس کے معنی ہیں: "ایک خوش بو دار سفوف یا بُرادہ جو مُشک، گلاب، صندل وغیرہ سے مرکّب ہو کر تیّار ہوتا ہے اور کپڑوں پر چھڑکا جاتا ہے"۔ جیسا کہ لکھا گیا ہے، اپنی اپنی جگہ دونوں لفظ صحیح ہیں۔ بس اِس کا خیال رکھنا چاہیے کہ "گلال" کے ساتھ "ابیر" لکھا جائے، جیسے لکھنؤ کے ایک مشہور شاعر برق کا شعر ہے:

اُس کے حضور ابیر ہوا رنگ یاسمن
رنگت گلوں کی، بن گئی مُکھڑا گلال کا

یا جیسے کسی شاعر کا یہ مصرع:

وہ جسمِ نازنیں ہے ابیر و گلال کا

اِس مصرعے میں اگر "عبیر و گلال" لکھا جائے، تو کہا جائے گا کہ یہ ٹھیک نہیں، یہاں "ابیر" لکھنا چاہیے تھا۔

○

علیٰ، حتّیٰ، اِلیٰ؛ عربی کے یہ تین کلمے ترکیب کی صورت میں اُردو میں مستعمل ہیں۔ اِن کو اِسی طرح لکھنا چاہیے، مثلاً:

عَلَی الرَّغم، عَلَی الصَّباح، عَلَی العُموم، عَلَی الخُصوص، عَلَی الاِطلاق، عَلَی التَّرتیب، عَلَی الدَّوام، عَلیٰ هٰذَ القیاس، عَلیٰ حالہٖ، عَلَی الاِعلان، حَتَّی الاِمکان

حتیٰ المقدور، حتیٰ الوسع، الیٰ اللہ، الیٰ الآن

ہاں اِس کا خیال رکھا جاسکتا ہے اور رکھنا چاہیے کہ جہاں تک ہوسکے، ایسے ٹکڑوں کو عبارت میں نہ لایا جائے اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ مثلاً "حتیٰ المقدور" کی جگہ "مقدور بھر" لکھا جاسکتا ہے اور "علی العموم" کی جگہ "عام طور پر" لکھ سکتے ہیں۔ ویسے بھی جہاں تک ممکن ہو مشکل لفظوں کو عبارت میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔ سادہ و صاف نثر لکھنا سب سے بڑا ہُنر ہے اور کمال کی بات ہے۔

تنوین کا الف

تنوین یعنی دو زبر، دو زیر، دو پیش، جیسے: نسلاً، نسلٍ، نسلٌ؛ یہ عربی کی خاص چیز ہے۔ اُردو میں ایسے لفظ تو کم اور بہت کم ہیں جن پر دو پیش یا دو زیر ہوں۔ "مشارٌ الیہ" اور "نسلاً بعد نسلٍ" جیسے کلمے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہاں ایسے لفظ بہت ہیں، جن پر دو زبر آتے ہیں، جیسے: فوراً، اتفاقاً، حکماً، انتظاماً (وغیرہ)۔ زبر کی تنوین کا قاعدہ یہ رہا ہے کہ لفظ کے آخر میں الف بڑھا دیا جاتا ہے اور اُس پر دو زبر لگا دیے جاتے ہیں۔ جیسے: "مثال" سے "مثالاً"۔ اِس میں کچھ جھگڑا نہیں۔ اُلجھن ہوتی ہے اُن لفظوں میں جن کے آخر میں "ت" ہوتی ہے۔

عربی میں "ت" اور "ۃ" میں فرق کیا جاتا ہے۔ جن لفظوں کے آخر میں "ۃ" لکھی جاتی ہے، اُن میں "ۃ" کے بعد الف کا اضافہ نہیں کیا جاتا، اُسی "ۃ" پر دو زبر لگا دیے جاتے ہیں، جیسے: عادۃً، حکمۃً، نسبۃً۔

اُردو والوں کے لیے یہ معلوم کرنا مشکل اور بہت مشکل ہے کہ کس لفظ میں "ت" ہے اور کس میں "ۃ" ہے۔ سچّی بات یہ ہے کہ اِس معلومات کی ضرورت بھی نہیں۔ اِسی لیے انجمن ترقیِ اُردو نے یہ طے کیا تھا کہ اُردو میں

صرف تً ہے اور ہر لفظ کے آخر میں اِسی کو لکھنا چاہیے۔ اِس قاعدے کے مطابق ایسے لفظوں میں، جن کے آخر میں تً ہے، وہی عام طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ ایسے سب لفظوں میں تً کے بعد الف کا اضافہ کرکے، اُس پر دو زبر لگا دیے جائیں، جیسے:

عادتاً، نسبتاً، حقیقتاً، رعایتاً، مروّتاً، ضرورتاً، شکایتاً، فطرتاً
قدرتاً، امانتاً، حقارتاً (وغیرہ)۔

کچھ لفظ ایسے ہیں جن کو فارسی اور اُردو میں ہائے مختفی کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ جیسے: نتیجہ، واقعہ، کلیہ، دفعہ، ارادہ ——— عربی میں اِن سب کے آخر میں ۃً ہے۔ پہلے فارسی میں ایسے لفظوں کے آخر میں ۃً کے بجائے ہ (ہائے مختفی) لکھی گئی اور وہی طریقہ اردو میں رائج ہوگیا۔ تنوین کی صورت میں ایسے لفظوں کو بھی اوپر لکھے قاعدے کے مطابق لکھنا چاہیے۔ جیسے: نتیجتاً، دفعتاً، واقعتاً، کلیتاً (وغیرہ)۔

○

عورتوں کے نام، جیسے: سلیمن، کریمن، شبراتن وغیرہ کے آخر میں نون لکھا جائے گا۔ یہاں تنوین کا کچھ کام نہیں۔ ایسے لفظوں کے آخر میں جو نون ہوتا ہے، اُسے "نونِ تانیث" کہتے ہیں۔

تنوین کے سلسلے میں ایک یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ جب کسی لفظ کے آخر میں الف بڑھا کر دو زبر لگا دیتے ہیں (جیسے "قصد" سے "قصداً") تو صاف طور پر آواز تو نون کی نکلتی ہے؛ اِس لیے شاعری میں اِس کو جائز رکھا گیا ہے کہ جس لفظ پر تنوین ہو، اُس کے ساتھ ایسے لفظ کو قافیے کے طور پر لایا جا سکتا ہے جس کے آخر میں نون ہو۔ مثلاً "فوراً" کا قافیہ "گلشن" ہو سکتا ہے۔ شاعروں نے ایسے قافیے لکھے ہیں۔ میں ایک مثال بھی لکھے دیتا ہوں، تاکہ بات واضح ہو جائے:

قید اپنا وہ آپ پُرفن تھا   حلقۂ زلف، طوقِ گردن تھا

عذر مانع نہ تھا کوئی تسلیم!
ترکِ شعر و سخن یہ قصداً تھا
(تسلیم لکھنوی)

○

ت :

عربی میں ت کی دو قسمیں ہیں اور اُن کے لحاظ سے شکلیں بھی دو ہیں : ت ، ۃ۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پرانی تحریروں میں بعض لفظوں میں یہ گول ۃ لکھی ہوئی نظر آجاتی ہے۔

انجمن ترقیِ اردو نے یہ طے کیا تھا کہ اردو میں ہمیشہ ت لکھنا چاہیے۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ عربی کی طرح اُردو میں اِس حرف کی دو قسمیں نہیں۔ اردو میں بس ایک حرف ہے اور اُس کی ایک شکل ت ہے۔ عربی کے ایسے بہت سے لفظوں میں عام طور پر ۃ لکھی جاتی ہے، مثلاً اردو میں "نجاۃ" اور "حیاۃ" کوئی نہیں لکھتا۔ سب لوگ "نجات" اور "حیات" لکھتے ہیں۔ ایسے سبھی لفظوں میں ت لکھنا چاہیے، جیسے :

نجات ، حیات ، صلات ، زکات ، توراتْ ، مشکات ، بابت ، رحمت ، رحمت اللعالمین ، اَمَتُ الزہرا ، طَرفَتُ العین ، روٴیتِ الکبرا ، مسمّات۔

تنوین کے قاعدے کا اِس سے پہلے ذکر آچکا ہے۔ اُردو میں ایسے سب لفظوں کے آخر میں ت کے بعد الف بڑھا کر، اُس پر دو زبر لگا دیے جائیں گے جیسے : دفعتاً ، نسبتاً ، عادتاً۔

○

ت۔ط

کچھ لفظ ایسے ہیں جن میں کبھی ت لکھی جاتی ہے اور کبھی ط۔ ایک بات

یاد رکھنے کی ہے کہ ط عربی کا خاص حرف ہے، یوں یہ حرف عربی کے لفظوں میں آتا ہے، جیسے: احتیاط۔ مثال کے طور پر اگر، طمانچہ،، لکھا جائے، تو یہ ملا ٹھیک نہیں ہو سکتا، یوں کہ یہ لفظ عربی کا نہیں۔ اِس میں تو چ موجود ہے، جو عربی میں آتی ہی نہیں۔ ایسے سب لفظوں میں ت لکھنا چاہیے۔ ایسے کچھ لفظ:

تپش، تپاں، تشت، تشتری، تماچا یا تمانچا، تمنچا، تنبورہ
توتا، توتیا، تہران، تہماسپ، تیار، تیاری، تہمورث، توتیا
بندھنا، توتیا باندھنا، توتے چوڑنا، تماشا، ناتا، تلاطم، تلنے
تشنے۔

اِن میں سے بعض لفظوں کی کچھ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے "طیار"، عربی کا لفظ ہے۔ اِس کے معنی ہیں: اُڑنے والا۔ اِسی سے "طیارہ" (ہوائی جہاز کے معنی میں) بنا ہے۔
آمادہ، مستعد، تندرست (وغیرہ) کے معنوں میں "تیّار" آتا ہے۔ جیسے: سواری تیّار ہے۔ یہ مرغ تو خوب تیّار ہے۔ میں بازار جانے کے لیے تیّار ہوں۔ سفر کی تیّاری (وغیرہ)۔
تلاطم: اِس میں پہلا حرف ت ہے اور دوسرا حرف ط ہے۔ اِسے "طلاطم" لکھنا درست نہیں۔
تمنچا: اردو میں مستعمل ہے۔ فارسی میں "تپنچہ" ہے۔
تپیدن: فارسی کا مصدر ہے۔ اِس کے معنی ہیں: تڑپنا۔ اسی سے "تپش" اور تپاں بنتے ہیں۔
توتا: یہ ہندستانی پرندہ ہے۔ اِس کا نام بھی ہندستانی ہے۔ اُردو کے لغت نویسوں نے وضاحت کر دی ہے کہ اِسے "طوطا" نہیں "توتا" لکھنا چاہیے۔ "توتا چشم" اور "توتا چشمی" کو بھی اِسی طرح لکھا جائے گا۔
ناتا: یہ اردو کا لفظ ہے، اِسے "ناطہ" نہیں لکھنا چاہیے۔ "رشتہ ناتا" اور "رشتے ناتے" اُردو میں مستعمل ہیں۔ انشا کا شعر ہے:

نسل بڑی آدم کی انشا، کون کسی کو پہچانے
باعثِ کثرت ہم دیگر کے رشتے ناتے بھول گئے

توتیا: اِس کے معنی ہیں: نیلا تھوتھا، سُرمے کا پتھر، سُرمہ۔ توتیے باندھنا، توتیا بندھنا، توتیے جُوڑنا، یہ محاورے ہیں، اِن کے معنی ہیں: الزام لگانا۔ اِن سب لفظوں میں ت ہے، ط کہیں نہیں۔

توتیے جُوڑتی ہے کیا کیا خلق
جی لگانا، بلائے جان ہوا
(رنگین)

تانے تشنے ______: اصل مرکب "طعن و تشنیع" ہے جو عام لوگوں کی زبان سے تو کم سنا گیا ہے، البتہ ادبی نثر میں مستعمل رہا ہے "تانے تشنے" اِسی کی بدلی ہوئی صورت ہے جو عام طور پر مستعمل ہے۔ عورتوں کی زبان سے اکثر سُننے میں آتا ہے۔ مفرد لفظ "طعنہ" اور اِس کی جمع "طعنے" دونوں لفظ عام طور پر مستعمل ہیں، مگر "تشنے" کے ساتھ "تانے" آتا ہے۔ جیسے: اُنھوں نے طعنہ دیا، یا طعنے دیے، اور اُن کے تانے تشنے کون سُنے۔
مفرد لفظ "تشنا" بھی استعمال کیا گیا ہے، جیسے امانت لکھنوی کے اِس شعر میں:

زبانِ موج سے تشنا دیا جو دریا نے
برس پڑی مری ہر آنکھ، چشمِ تر کی طرح

مگر اب "تانے تشنے" ہی استعمال میں آتا ہے۔ مفرد لفظ "تشنا" شاید ہی کوئی استعمال کرتا ہو۔

○

ذ۔ ز

ذال اور زے یہ دونوں ہم آواز حرف ہیں۔ آواز تو اِن کی ایک جیسی ہے، لیکن یہ ہیں دو الگ الگ حرف۔ ظاہر ہے کہ جس لفظ میں اصلاً ذال ہے، اُس میں

رَے نہیں لکھیں گے۔ اِسی طرح جس لفظ میں رَے ہے، اُس کی جگہ ذال نہیں لکھ سکتے۔ مثلاً آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم عہ کے والد یا چچا کا نام "آزر" (رَے کے ساتھ)، اِسے "آذر" (ذال کے ساتھ) نہیں لکھ سکتے۔

ایسے ہر لفظ کے متعلق ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اُس میں ذال ہے یا رَے۔ جن لفظوں میں غلطی کا زیادہ امکان ہو سکتا ہے، اُنھیں لکھا جاتا ہے:

زکریا ـــــــ: مشہور پیغمبر کا نام ہے۔ اِس میں رَے ہے[1]۔ اِسے "ذکریا" نہیں لکھنا چاہیے۔

جزر و مد ـــــــ: اِس کے معنی ہیں: جوار بھاٹا (جو سمندر میں آتا رہتا ہے) اِس میں بھی رَے ہے۔

آزوقہ ـــــــ: ذرا سی غذا کے معنی میں آتا ہے۔

ازدحام ـــــــ: اِس کو کبھی "ازدہام" کبھی "اژدحام" اور کبھی "اژدہام" لکھ دیا جاتا ہے۔ صحیح املا "ازدحام" ہے۔

گزارش ـــــــ: درخواستوں اور خطوں میں بھی یہ لفظ آتا ہے، جیسے: آپ کی خدمت میں گزارش ہے۔ میری گزارش یہ ہے (وغیرہ)۔ مرزا غالب کا شعر ہے:

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے

اس کو اگر "گذارش" لکھا جائے گا تو معنی بدل جائیں گے۔ "گزارش" اور "گذارش" دو الگ الگ لفظ ہیں۔ دونوں کے معنی بھی مختلف ہیں۔ "گزارش" کے معنی ہیں: پیش کرنا۔ "گذارش" کے معنی ہیں: چھوڑنا۔ اس کی تفصیل بھی سمجھ لیجیے۔

فارسی میں ایک مصدر ہے "گزاردن"۔ اِس کے معنی ہیں: ادا کرنا، پیش کرنا۔ اِس کا فعلِ امر "گزار" ہے۔ اِسی سے "گزارش" بنا ہے (جو حاصل مصدر ہے)

---

[1] وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا ...... (سورۂ انعام)

"گزار" کئی مرکّب لفظوں میں آتا ہے، جیسے: خدمت گزار، عبادت گزار ــــ "عبادت گزار" کے معنی ہیں: عبادت کرنے والا۔ اِسے اگر "عبادت گذار" لکھا جائے، تو اِس کے معنی ہوں گے: عبادت چھوڑ دینے والا۔ "گزار" اور "گذار" دو مختلف لفظ ہیں۔ "گزار" میں ادا کرنے اور پیش کرنے کا مفہوم شامل ہے اور "گذار" میں چھوڑنے کا مفہوم شامل ہے۔

گزرنا اور گزارنا اردو کے مصدر ہیں۔ اِن میں زے ہے۔ اِن سے جس قدر فعل بنیں گے، اُن میں زے لکھی جائے گی، جیسے: گزرتا ہے، گزر گیا، گزر بسر۔ انھیں "گذرنا" یا "گذارنا" لکھا جائے گا تو املا غلط ہو جائے گا۔ مشہور شعر ہے:

اے شمع! صبح ہوتی ہے، روتی ہے کس لیے
تھوڑی سی رہ گئی ہے، اِسے بھی گزار دے

اِس میں "گذار دے" لکھا جائے تو اِس لفظ کا اِملا غلط ہو جائے گا۔

گزرتے وقت کی ہر چاپ سے میں ڈرتا ہوں
نہ جانے کون سا لمحہ اُداس کر جائے

پہلے مصرعے میں اگر "گذرتے" لکھا جائے، تو اِس لفظ کا املا غلط ہو جائے گا۔

نیچے ایسے کچھ ضروری لفظ لکھے جاتے ہیں جن میں زے ہے:

گزرنا، گزرتا ہے، گزر گیا، گزر بسر، گزارنا، گزاردی ــــ گزارش، عبادت گزار، تہجّد گزار، مال گزاری، شکر گزار، عرضی گزار، پیغام گزار، شکوہ گزار ــــ آزوقہ، مدّوجزر، آزر (نام)، زرتشت (نام)، زکریا (نام)، زخّار، گزند، گزاف ــــ (لاف وگزاف) ناگزیر، برگزیدہ۔

○

جس طرح ہم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کن لفظوں میں زے ہے، اُسی طرح یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کن لفظوں میں ذال ہے۔ مثلاً ایک مشہور صحابی

کا نام "ابوذر رضؓ" ہے اِس میں ذال ہے، ظاہر ہے کہ اِس کو "ابوزر" نہیں لکھا جا سکتا۔

"گذشتن" اور "گذاشتن" فارسی کے مصدر ہیں، اِن میں ذال ہے۔ اِن دونوں مصدروں سے جتنے لفظ بنے ہیں، اُن سب میں ذال لکھی جائے گی۔ اُن میں سے ایک لفظ ہے "گذشتہ"، اِس کے معنی ہیں: گزرا ہوا۔ جیسے: عُمرِ گذشتہ۔ اِس مصرعے میں یہی لفظ آیا ہے:

گذشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں

اِسے اگر "گزشتہ" لکھا جائے، تو کہا جائے گا کہ یہ املا غلط ہے ——— ایک لفظ ہے "گُذراں"، اِس کے معنی ہیں: گزرتا ہوا۔ مثلاً "عُمرِ گُذراں": گزرتی ہوئی عمر۔ میکش اکبر آبادی مرحوم کے ایک شعر میں یہ مرکّب کس خوبی کے ساتھ آیا ہے:

بوئے گُل، رنگِ چمن اور یہ عُمرِ گُذراں
سب ٹھہر جائیں گے، کوئی اُسے روکے تو سہی

"رہ گذر" کے معنی ہیں: راستہ۔ اِسی معنی میں "رہ گذار" بھی آتا ہے۔ دونوں لفظوں میں ذال ہے۔ فراق گورکھ پوری کا شعر ہے:

یہ موڑ وہ ہے کہ پرچھائیاں بھی دیں گی نہ ساتھ
مسافروں سے کہو اُس کی رہ گذر آئی

"گذرگاہ" میں بھی ذال ہے۔ اِسی طرح سرگذشت، رفت و گذشت، واگذاشت؛ سب میں ذال ہے۔ "بذلہ" (معنی: لطیفہ، چٹکلا، سخنِ مرغوب) اِسی سے "بذلہ سنجی" بنا ہے؛ اِس میں بھی ذال ہے۔ جاذب، رذیل، رذالا، ذیابیطس، جُذام (کوڑھ کی بیماری)۔ جذامی (کوڑھی) اِن سب میں ذال ہے۔

ذرا ——— اصل لفظ "ذرّہ" ہے، اُسی سے "ذرا" بنا ہے۔

آذر ——— اِس لفظ کے معنی ہیں: آگ۔ فارسی میں موسمِ خزاں کے ایک مہینے کا بھی نام ہے۔ اِس میں ذال ہے۔ (اور حضرت ابراہیم کے والد

یا چچا کا نام "آزر" (ز کے ساتھ) ہے۔ "آذر بائیجان" ایک مشہور علاقے کا نام ہے جو پہلے ایران میں شامل تھا، پھر روس نے اُس پر قبضہ کر لیا اور اب وہ ایک خود مختار ریاست بن گیا ہے۔

ایک لفظ ہے "پذیرائی" اِس میں ذال ہے۔ فارسی کا ایک مصدر ہے "پذیرفتن" اِس کے معنی ہیں: قبول کرنا۔ اُسی سے "پذیر" اور "پذیرا" اور "پذیرائی" بنے ہیں۔ اِسی طرح پذیرفتہ، دل پذیر، اثر پذیر، رقم پذیر، خلل پذیر۔

نذیر ــــــ یہ رسول اللہ کا ایک نام ہے۔ ناموں میں اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ جیسے: نذیر احمد، نذیر محمد۔ "نظیر" کے معنی ہیں: مثل، طرح۔ احمد، محمد، حسن جیسے ناموں کے ساتھ اِسے نہیں لکھنا چاہیے (جیسے: نظیر احمد، نظیر حسن)۔ ہاں تخلص کے طور پر یہ آتا ہے، جیسے: نظیر اکبر آبادی۔ "بے نظیر" نام کے طور پر بھی آتا ہے، جیسے بے نظیر شاہ۔ مثنوی سحر البیان کے ہیرو کا نام بھی "بے نظیر" ہے۔ (بے نظیر: بے مثال)۔ البتہ عورتوں کا نام "نذیرن" بھی ہو سکتا ہے اور "نظیرن" بھی۔

نذر ــــــ "نذر" اور "نظر" دو مختلف لفظ ہیں۔ نذر، نذرانہ، نذر نیاز، نذر ماننا، نذر چڑھانا، نذر کرنا (جیسے: یہ کتاب آپ کی نذر ہے) اِن سب میں ذال ہے۔

نظر گزر، نظر کردہ (جیسے: نظر کردۂ شاہِ مرداں) جیسے مرکبات میں "نظر" ہے۔ پرانے دفتروں کی اصطلاح میں "نظری" وہ چیز جو نامنظور کر دی گئی ہو ــــــ ایسے لفظ جو زیادہ استعمال میں آتے ہیں اور جن میں غلطی کا زیادہ امکان رہتا ہے اُن کو ایک جگہ لکھا جاتا ہے:

آذر (آگ) آذر بائیجان، جذب، جذبہ، جذبات، مجذوب، جاذب، انجذاب، ابوذر (نام) ذیابیطس (ایک بیماری) بذلہ ذرا، نذیر، نذر، نذرانہ، نذر نیاز، نذر ماننا، نذر چڑھانا، نذر کرنا، جذام (کوڑھ) جذامی، رذیل، رذالا۔

گذشتہ ، گذشتگان ، رفت وگذشت، سرگذشت ، گُذَراں،گذرگاہ ،
راہ گذر ، رہ گذر، رہ گذار ، درگذر، واگذاشت ، پذیرائی، دل پذیر،
اثر پذیر ، رقم پذیر، خلل پذیر۔

ژ

ژ فارسی کا حرف ہے مگر یہ اُن لفظوں میں بھی آتا ہے جو فارسی کے نہیں
جیسے: ٹیلی وی ژن ، بورژوا ، اژدھات[1]، آندرے ژید (ایک فرانسیسی نام)۔
فارسی کا ایک لفظ ہے "نژاد"، جیسے: حور نژاد، اِس کو "نزاد" نہیں لکھنا چاہیے
ایسے کچھ لفظ یہ ہیں :

اژدر، اژدہا، اژدھات ، پژمردہ ، پژمردگی، ژالہ ،ژالہ باری
(اولے پڑنا) ژولیدہ ، ژولیدگی، ژیاں (جیسے: شیرِ ژیاں) کژدم
(بچھو) مژدہ ، مِژہ ، مژگان ، نژاد، بورژوا ، ٹیلی وی ژن ،
آندرے ژید۔

س ، ش

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ سَ اور سـٓـس، اِسی طرح شَ اور
شـٓـس ، دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ اِسے دندانے دار (س) بنایا جائے یا
کشش دار (ش)، اِس کا تعلق اِس سے ہے کہ لکھنے میں جلدی، پڑھنے
میں آسانی اور دیکھنے میں خوش نمائی کا تقاضا کیا ہے۔
سَ کے بعد یا اُس سے پہلے جب ایک یا ایک سے زیادہ شوشے دار حرف

---

[1] منّت وزاری سے حسرت کی نہیں ہوتا ہے نرم ۔ دل بتوں کا سنگ ہے، فولاد ہے، اژدھات ہے
(جعفر علی حسرت)

آئیں، اُس صورت میں اچھا یہ ہو گا کہ اُسے کشش دار لکھا جائے۔ اِس طرح لفظ میں شوشے بھی کم بنانا پڑیں گے اور یوں غلطی کا امکان کم ہو جائے گا، جیسے: سستا، یاسین، نسبت، مسئلہ، سینا، سینہ، پسینا تیس۔

جب کسی لفظ میں دو سؔ یا دو شؔ یک جا ہوں، ایسی صورت میں دونوں کو کشش دار لکھنا بہتر ہوگا، جیسے: کشمکش، کشش۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ کشش دار لکھا جائے اور دوسری جگہ دندانے دار، جیسے: شمس ـــــ دونوں کو دندانے دار لکھنا مناسب نہیں ہوگا، کیوں کہ اِس طرح پڑھنے میں الجھن پیدا ہو سکتی ہے، جیسے: سسرال۔ یہاں بدنمائی بھی ہے اور لکھنے پڑھنے دونوں میں الجھن ہو سکتی ہے اور اِس کا تو بہت امکان ہے کہ ایک شوشہ یا دو شوشے غائب ہو جائیں۔

ایک بات اور: جب کسی لفظ میں سؔ اور شؔ یک جا ہوں، تو اُس صورت میں اچھا یہ ہوگا کہ شؔ کو کشش دار اور سؔ کو دندانے دار لکھا جائے، جیسے: شمس۔

اگر کوئی لفظ دو الگ الگ ٹکڑوں میں لکھا جاتا ہے، اُس صورت میں دونوں کو کشش دار لکھنا کچھ بے جا نہ ہوگا، جیسے: شارستان، شوشہ۔

یہ دیکھا جاتا ہے کہ دندانے دار سؔ (یا شؔ) جب لفظ کے شروع یا درمیان میں آتا ہے، تو جلدی میں یا بے پروائی کی وجہ سے کبھی کبھی اُس کا ایک شوشہ غائب ہو جاتا ہے، جیسے: "ہندستان،، کہ یہ "ہندستان،، بن جاتا ہے۔ اور لفظِ "حسن،، کو تو میں نے بارہا "حسن،، لکھا ہوا دیکھا ہے۔ ایسے موقعوں پر کشش دار صورت اِن سب جھگڑوں سے بچا لیتی ہے۔

قسائی: اِس میں سؔ ہی لکھنا چاہیے۔ ہاں "قصّاب،، میں صؔ ہے۔

مسالا ـــــ: اِس کا پُرانا املا "مصالح" ہے۔ اب "مسالا" زیادہ لکھا جاتا ہے اور اِسی طرح لکھنا چاہیے۔

قفس ـــــ: اِس کا پُرانا املا "قفص،، بھی ہے، مگر اب "قفس،،

عام طور پر لکھا جاتا ہے اور یہی صورت بہتر ہے، اسی طرح لکھنا چاہیے۔
مِسَل ـــــــ: جیسے: مقدمے کی مسل۔ کچھ لوگ اِسے "مثل" بھی لکھتے ہیں۔ "سمن" اور "مسل"، اِن دونوں لفظوں میں سؔ لکھنا چاہیے۔
"شصت" (ساٹھ) اور "صد" (سو) میں عام طور پر صؔ لکھا جاتا ہے اور اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ ایک فرق اور بھی ہے۔ ایک لفظ ہے "شست" (نشانہ، مچھلی کے شکار کا کانٹا) اِس کو سؔ سے لکھا جاتا ہے۔ اور ایک لفظ ہے "سَد"، اِس کے معنی ہیں: دیوار۔ اِس میں بھی سؔ ہے۔ اِس طرح "شصت"، اور "شست"، "صد"، اور "سد"، الگ الگ لفظ ہوئے۔ اِس لیے بھی اِن میں اِسی املا کی پابندی کرنا چاہیے۔

ص

صؔ اور ضؔ، اِن دونوں حرفوں کے سلسلے میں یہ بات ضرور ذہن میں رہنا چاہیے کہ شوشہ اِن کا جُز ہے۔ شوشے کے بغیر اِن کی شکل ادھوری رہے گی، ناقص اور ناتمام۔ اِن حرفوں کے بعد بؔ، یؔ جیسے حرف جب آتے ہیں، تو بعض دفعہ شوشہ غائب ہو جایا کرتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ اِس کا خاص کر لحاظ رکھنا چاہیے، جیسے: صد، صید، صبح، صبا، صیّاد، صبیح، مصباح، صبور، ضعف۔

ن

ایسے بہت سے مصدر ہیں جن میں دو نونؔ یک جا ہیں، جیسے: سُننا، جاننا، ماننا، تننا، بَننا، بُننا، دُھننا، چُننا، گُننا، چھننا، چھاننا، کھاننا، پہچاننا، بھُوننا (وغیرہ)، اِن میں پہلا نونؔ اصل لفظ کا جُز ہوتا ہے اور دوسرا نونؔ مصدر کی علامت "نا"، کا حصّہ ہوتا ہے (سن۔نا، مان۔نا، جان۔نا، چُن۔نا، بھُون۔نا) ایسے مصدروں میں ہمیشہ دو نونؔ لکھنا

چاہیے۔ اِن کو "بنّا"، یا "گنّا"، یا "سُنّا"، (وغیرہ) لکھنا صحیح نہیں ہوگا۔ مصدروں کی طرح، اِن سے بننے والے افعال میں بھی دو نون لکھے جائیں گے مثلاً: بننے سے، سُننے کو، گِننے میں، ماننے کے لیے۔
جب بھی کسی لفظ میں ایک ہی آواز کی تکرار ہو گی اور وہ مرکّب ہوگا، یعنی دو لفظوں سے مل کر بنا ہو گا، تو اُس حرف کو دو بار لکھا جائے گا۔ اسی لیے صحیح املا "اُس سے" ہے۔ اگر "اسّے" لکھا جائے تو اِسے غلط کہا جائے گا۔ یہی صورت مثلاً "جگنّاتھ" کی ہے، کہ یہ صحیح املا نہیں۔ اِس میں دو لفظ ہیں، اِس لیے اِسے "جگن ناتھ" لکھا جائے گا۔
اِس کا قاعدہ بھی سمجھ لیجیے۔ قاعدہ یہ ہے کہ دو کلموں سے مرکّب ٹکڑوں میں ایک ہی حرف دو بار اِس طرح آئے کہ پہلے کلمے کا آخری حرف وہی ہو، جو دوسرے کلمے کا پہلا حرف ہے، تو اُس حرف کو دو بار لکھا جائے گا، جیسے: سُننا (سُن۔نا)۔
اگر ایک کلمے میں فاصلے کے بغیر ایک حرف کی (یا یوں کہیے کہ ایک ہی آواز کی) تکرار ہو، تب ایک حرف لکھا جائے گا اور اُس پر تشدید آئے گی مثلاً ایک مصدر ہے "چھننا"، جو دو مستقل کلموں "چھن" اور "نا" سے مل کر بنا ہے، اِس لیے اِس مرکّب کلمے کو "چھننا" لکھا جائے گا۔ اِس کے مقابلے میں ایک اسم "چھنّا" ہے، جس کی مونث صورت "چھنّی" ہے۔ یہ ایک کلمہ ہے، اِس لیے اِس میں ایک نؔ لکھا جائے گا اور علامت کے طور پر اُس پر تشدید بھی ضرور لکھی جائے گی۔
"گننا" میں دو نون لکھے جائیں گے، یوں کہ یہ مرکّب کلمہ ہے (گن۔نا) اور "گنّا" میں صرف ایک مشدّد نون لکھا جائے گا، کیوں کہ یہ مفرد لفظ ہے۔ اسی طرح "بلّی"، "کوّا"، لٹّو، کُتّا، مدّت، شدّت۔
جگنّاتھ، اِسّے، جِنّے، جسّے: اِن لفظوں کا یہ املا درست نہیں۔ اِن کا صحیح املا ہے: جگن ناتھ، اِس سے، جن نے، جس سے۔ وجہ اِس کی یہی ہے کہ یہ سب کلمے دو لفظوں سے مل کر بنے ہیں، یعنی مرکّب

لفظ ہیں، اِس لیے نؔ اور سؔ کو دو بار لکھا جائے گا۔ مفرد لفظوں میں ایسے مقامات پر تشدید آتی ہے، جیسے: مُنّن، جدّن، لذّت، عزّت۔

○

ایک قاعدہ یہ ہے کہ کسی لفظ میں ساکن نونؔ کے بعد اگر بؔ ہو، تو ایسی صورت میں نؔ کی آواز مؔ کی آواز سے بدل جاتی ہے، یعنی لکھا تو نؔ جائے گا، مگر پڑھنے میں میمؔ کی آواز نکلے گی، جیسے: منبر، جنبش، انبار زنبیل، سُنبل، شنبہ، انبار، منبع، گنبد، تنبیہ، منبر (جس پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا جاتا ہے)۔

یہ خیال رہے کہ یہ قاعدہ عربی اور فارسی لفظوں کے لیے ہے۔ دوسری زبانوں (ہندی، انگریزی وغیرہ) کے سب لفظوں میں (نؔ کے بعد بؔ ہو یا پؔ) ایسے مقامات پر ہمیشہ مؔ لکھا جائے گا۔ جیسے:

امبالہ، اچمبھا، امبیدکر، امبیسی، امبولنس، بمبا، بمبو، بمبوق، بمبئی، تمباکو، تمبر، جمبو، چمپا، چمپئی، چمبل، دمبر، ڈگمبر، رمبھا، زمبیا، زمبور، (اوزار)، سمبھل، شمبھو، ستمبر، سمبھا، کھمبا، کمبل، کمبوہ، کمبوڈیا، گمبھیر، گڑمبا، لمبا، لمبائی، ممباسا، مزمبیق، ممبر (جیسے: اسمبلی کا ممبر)، نمبر، بھمبق، تمبو، ستمبر، کھمبایت، کمبھ، نمبوتری پد، کمپو، کمپنی، کمپا، کمپاس، چمپئی۔

"کُنبہ" اور "بھنبھنانا" اِن لفظوں میں بھی نونؔ کے بعد بؔ ہے؛ لیکن یہ لفظ ایسے ہیں کہ اِن میں نؔ کی آواز محفوظ رہی ہے، وہ میمؔ کی آواز سے بدلتی نہیں۔ یہ استثنا ہے (ایسے ایک دو لفظ اور بھی ہو سکتے ہیں)۔ اِن میں لکھا بھی نونؔ جائے گا اور پڑھنے میں بھی نونؔ ہی کی آواز نکلے گی۔

یہ قاعدہ ہے کہ مُنادا کے آخر میں جمع کا جو ںؔ ہوتا ہے اُسے نہیں لکھا جاتا جیسے: اے جوانو، اے دوستو۔ دشمنو! رفیقو:

جھوٹ کہتا نہیں ہیں، سچ جانو
کافرِ عشق ہوں، مسلمانو!

یا جیسے انشا کی ایک غزل کے یہ شعر:

کہہ بیٹھیے صاف اُس سے، یہ دل جس سے نہ واہو
رے واو زبر رَو ہو، اُڑ چکھو ہو، ہَوا ہو
لکھ ہیں تے دیا خطِ غلامی اُنھیں، کرجہر
لو دستخط اِس پر کرو تم اپنے، گواہو!

لفظ کے آخر میں نونِ غنّہ ہو، تو اُسے نقطے کے بغیر لکھا جاتا ہے، جیسے: جہاں، کہاں، وہاں، یہاں، عیاں، فغاں۔

○ ——— : بانہہ، اِس کی جمع "بانہیں" بنے گی۔ اِسے "باہیں" لکھنا ٹھیک نہیں۔

کچھ لوگ "میں نے" کو ملاکر "مینے" لکھتے ہیں، اِس طرح ایک ںؔ غائب ہو جایا کرتا ہے۔ صحیح اِملا "میں نے" ہے۔

○ ——— : مُنہ، مینہ، مِنہ، مُنہنال، ان سب لفظوں میں نونِ غنّہ مبہم کے بعد اور ہؔ سے پہلے ہے۔ اِسی طرح "مِہندی" میں بھی ںؔ، ہؔ سے پہلے ہے۔ جس طرح "مُنہ" یا "مینہ" کے مخفف "مِنہ" میں ںؔ، ہؔ سے پہلے ہے، اُسی طرح "مِہندی" میں ہؔ سے پہلے ہے۔ "مِنہ" اور

"ٹھنہ"، صوتی لحاظ سے ایک جیسے ٹکڑے ہیں، ظاہر ہے کہ اِن کا املا بھی ایک جیسا ہوگا (جس طرح اِن کا تلفظ ایک جیسا ہے)۔ ایسے سب لفظوں میں ںؔ کو ہؔ سے پہلے لکھنا چاہیے۔ ایسے ضروری لفظ یہ ہیں :

مُنہ، مُنہامُنہ، مُنہنال، مینہ، رِمنہ، مِنہدی، منہگا، منہگائی، لنہگا، بنہگی۔

"جمّن"، جیسے ناموں کے آخر میں نونؔ آتا ہے جو پیار کے طور پر رکھ لیے جاتے ہیں (یا کسی خاص نسبت کے ساتھ رکھے جاتے ہیں)۔ معنوی طور پر اِن میں اکثر تصغیر کا پہلو نکلتا ہے، جیسے :

اِشّن، اِمّن، اِنّن، اچھّن، اغّن، بُھلّن، بچّن، بنّن، جمّن، شدّن، شبّن، لڈّن، رفّن، کلّن، ہدّن۔

ایسے سب ناموں میں آخری نونؔ سے پہلے جو حرف ہوتا ہے، اُس پر تشدید ہوتی ہے۔

عورتوں کے ناموں کے آخر میں بھی نونؔ آتا ہے ؛ یہ بات پہلے بھی لکھی جا چکی ہے۔ یہ تانیث کا نونؔ ہوتا ہے، جیسے :

امیرن، بشیرن، تمیزن، براتن، تسلیمن، شریفن، کریمن، نذیرن، وزیرن۔

"امیرن"، یا "وزیرن"، کو "امیرًا"، اور "وزیرًا"، نہیں لکھا جائے گا۔ یعنی عورتوں کے ایسے ناموں میں تنوین نہیں آئے گی، اِس وجہ سے کہ ایسے ناموں کے آخر میں تانیث کا ںؔ ہوتا ہے۔

کچھ اور لفظوں کے آخر میں بھی ںؔ تانیث کے لیے آتا ہے، جیسے: "دھوبی" کی تانیث دھوبن۔ (اِسی طرح نذیر اور نذیرن۔ امیر اور امیرن)

آنْو ، پانْو ، ٹھانْو ، چھانْو ، دانْو ، کھڑانْو ، گانْو ، نانْو ؛ یہ آٹھوں لفظ ایک ہی انداز کے ہیں۔ اِن سب کے آخر میں واؤ ہے اور اُس سے پہلے نونِ غنّہ۔

اِن لفظوں کو کئی طرح لکھا جاتا رہا ہے۔ مثلاً "پانْو" کو چار طرح لکھا گیا ہے: پانو ، پانوں ، پانوُں ، پاؤں۔ اب اِن سب کو ایک ہی طرح لکھنا چاہیے۔

ایک یہ بات سامنے رکھنے کی ہے کہ "پانا" مصدر سے فعل "پاؤں" بنے گا، جیسے : اب میں اُسے کیسے پاؤں۔ یا جیسے "گانا" مصدر سے فعل "گاؤں" بنے گا، جیسے : گانا گاؤں۔ اِسی طور پر "چھانا" سے "چھاؤں" بنے گا: میں اپنا چھپّر چھاؤں گا۔

اب فرق یہ ہوا کہ "گاؤں" فعل ہے اور "گانْو" اسم ہے۔ اِسی طرح "پانْو" اسم ہے اور "پاؤں" فعل ہے۔ "چھانْو" اسم اور "چھاؤں" فعل۔ اِس امتیاز کو برقرار رہنا چاہیے۔

عام طور پر "پانْو" اور "چھانْو" (وغیرہ) "فاع" کے وزن پر آتے ہیں، مثلاً :

بھاگے تھے ہم بہت، سو اُسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر، دابتے ہیں راہ زن کے پانْو (غالب)

ایک مشہور مثل ہے: ہاتھی پھرے گانْو گانْو، جس کا ہاتھی اُس کا نانْو۔

بیٹھ جاتا ہوں، جہاں چھانْو گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے (حفیظ جون پوری)

"پانْو" کی جمع "پانوؤں" بنے گی۔ اِسی طرح "گانْو" کی "گانوؤں"۔ "کھڑانْو" کی جمع "کھڑانْویں" اور "کھڑانْوؤں" بنے گی۔ اگر "پانْو" کے بجائے "پاؤں" لکھا جائے تو اِس کی جمع "پاؤوُں" بننا چاہیے، اِسی طرح "گاؤں" سے "گاؤں وُں"، اور اِس طرح کوئی بھی نہیں لکھتا۔ ہاں "پانْو" لکھا جائے تو

اُس کی جمع قاعدے کے مطابق "پاوئوں" بنے گی۔ اِس لحاظ سے بھی مفرد صورت میں پانْو، گانْو، چھانْو لکھنا مناسب اور بہتر ہے۔

○

کچھ لفظوں میں نونِ غنّہ کے ہونے یا نہ ہونے سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک لفظ ہے "گھاس"۔ لکھنؤ کے مشہور استاد اور لُغت نویس جلال نے لکھا ہے کہ اِسے "گھانس" لکھنا چاہیے؛ مگر عام طور پر "گھاس" لکھا جاتا ہے۔ اِسی سے "گھسیارا" بنا ہے۔ "گھس کُھدا" بھی اِسی سے بنا ہے۔ اِن میں بالاتفاق نون نہیں۔ ہمیں اب ایسے سبھی لفظوں کو اُسی طرح لکھنا چاہیے جس طرح وہ صحیح ہیں، یا جس طرح اب عام طور پر اُن کو لکھا جاتا ہے۔ ایسے ضروری لفظ یہ ہیں:

گھاس، گھسیارا، گُوپل، سانپ، سپیرا، سنپولیا، پینٹھ، (آٹھویں دن کا بازار)۔ پانسا، بھوچکا، مچھیرا، چوچلا، روانسا، سماں، منجھلا، منجھلی، منجھولی، مانجھی، گھونسا، گروی، کیچوا، گنوارا، کنواری، منجدھار، موچھ، مچھندر، منڈاسا، کینچلی، جھونک، جھونکا، جھونپڑا، جھونپڑی، پینترا۔

○ ــــــ : ایک لفظ ہے "خوناب"، (اصل میں "آبِ خون" تھا ترکیب پلٹی تو "خوناب" ہوگیا) اِسے "خونناب" لکھنا درست نہیں۔ صحیح املا "خوناب" ہے۔ ہاں "خونِ ناب" دوسرا لفظ ہے۔ اِس کے معنی ہیں: خالص خون۔ (ناب: خالص)۔

○ ــــــ : "کنوّاں" میں کاف کے بعد نونِ غنّہ ہے۔ اِس کی جمع "کنوئیں" اور "کنوّوں" ہوگی۔

○ ــــــ : "دُھواں" بھی اِسی وزن کا لفظ ہے، مگر استعمالِ عام میں آکر اِس کا نونِ غنّہ ختم ہوچکا ہے۔ اب اِسی طرح لکھا جاتا ہے اور اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اِسی طرح "دُھویں"۔

○ ——— : ایک لفظ ہے "رُواں"۔ اِسے "رواں" بھی لکھا جاتا تھا۔ اب "رُواں" لکھتے ہیں اور اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اِس کی دوسری صورتیں ہیں: رُوئیں، رووُں۔

○ ——— : "کنواں" کے تحت ایک ضروری بات لکھنے سے رہ گئی۔ "کُنواں" سے اسمِ تصغیر "کُیّاں" بنے گا۔ کسی کا شعر ہے:

تجھے سچ مچ کا یوسف کیوں نہ کردوں یوسفِ ثانی
گرادوں آج لے چل کے کہیں رستے کی کُیّاں میں

نہ، نا ——— : یہ دونوں لفظ (فارسی اور اُردو، دونوں زبانوں میں) نفی کے لیے آتے ہیں، جیسے: نہ کرو، ناشکرا، ناسپاس۔ خیال رکھنے کی بات یہ ہے کہ اردو میں "نا" تاکید کے لیے بھی آتا ہے، جیسے: جاؤ نا، ارے آؤ نا، تم اُس کو سمجھاؤ نا۔

"نا" کبھی نفی کی تاکید کے لیے بھی آتا ہے، جیسے: نا بھائی، ہم تو بہت بھر بھگت چکے، اب ہمارا سلام ہے۔ نا بابا، تمھاری بات کون مانے، تمھارا کیا بھروسا ——— خیال رکھنے کی بات یہ ہے کہ ایسے مقامات پر "نہ" نہیں لکھنا چاہیے۔

○

بہت سے مصدر ایسے ہیں جن میں نونِ غنّہ موجود ہے، جیسے: جانچنا۔ ایسے مصدروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن میں کچھ لوگ نونِ غنّہ لکھتے ہیں اور کچھ نہیں لکھتے۔ ایسا بھی ہے کہ متعدّی مصدر میں نونِ غنّہ موجود ہے (جیسے: بانٹنا) مگر مصدرِ لازم میں اُسے عام طور پر نہیں لکھا جاتا (جیسے بٹنا)۔ یہ بحث بہت لمبی ہے۔ میں نے اپنی کتاب اردو املا میں ایسی تفصیلات یکجا کردی ہیں۔ یہاں مختصر طور پر ایسے لفظوں (یعنی مصدر اور اُن سے بننے والے مشتقات) کی اُن صورتوں کو نیچے لکھا جاتا ہے، جن کو ترجیح حاصل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارے طَلَبہ کو کسی لمبی چوڑی بحث

میں پڑے بغیر یہ معلوم ہو جائے کہ اُنھیں کیسے لکھنا چاہیے۔

آنکنا۔ اُمنڈنا۔ اُنڈیلنا۔ اَوبٹنا۔ اَوبٹانا، اَونٹوانا۔ اَوندھنا، اَوندھانا۔ اُونگھنا۔ اَینٹھنا (اینٹھن) اینچنا (اینچ کھینچ)، ابنڈنا۔ بانٹنا (بانٹ، بانٹ چونٹ، بانٹ بونٹ) بانٹ دینا، بانٹ لینا، بانٹ کھانا (حصّہ بانٹ، بندر بانٹ)

ان سب مصدروں میں نونِ غنّہ شامل ہے۔ اِن سے جتنے فعل یا اسم بنیں گے، اُن میں بھی نونِ غنّہ شامل رہے گا اور لکھا جائے گا ——— ہاں، تولنے کے لیے جو اوزان کام میں آتے ہیں، اُن کو "باٹ" لکھنا چاہیے۔ "باٹ" کے ایک معنی راستہ بھی ہیں، اِسی سے "دوبارہ باٹ" بنا ہے۔ اِسے بھی نونِ غنّہ کے بغیر لکھنا چاہیے۔

بٹنا، بٹانا (بٹائی، بٹوائی، بٹوارا) بٹ جانا، بٹنا (جیسے: رسّی بٹنا)؛

یہ مصدر اور اِن سے بننے والے لفظ عام طور پر نونِ غنّہ کے بغیر لکھے جاتے ہیں۔ یہاں وہی صورت ہے کہ متعدّی مصدر "بانٹنا" میں نونِ غنّہ لکھا جاتا ہے اور لازم مصدر "بٹنا" میں نہیں لکھا جاتا۔

باندھنا، بندھنا، بندھانا، بندھوانا (بندھوا، باندھنو، بندھائی، بندھوائی)۔ بھانپنا، بھانپ لینا (بھانپو)۔

"بھاپ"، جس سے "بھپارا" بنتا ہے، وہ الگ لفظ ہے۔ اُس کا "بھانپنا" سے کچھ تعلّق نہیں۔

بھنبھوڑنا، بھونکنا، بھونکانا۔ بھُنکنا، بھُونکنا، بھُنک جانا۔ (سوئی بھُنک گئی، چھُری بھُونک دی)۔

بھیچنا، بھینچنا ——— بیونتنا، بیونتانا (بیونت، کتر بیونت)۔

"بھیچنا" اور "بھینچنا" دونوں صورتیں ملتی ہیں۔ اِسی طرح ایک مصدر ہے "بِندھنا"، اِس کے ایک معنی ہیں موتی میں سوراخ ہونا۔ اِس کا متعدّی "بیندھنا" ہے۔ اِن دونوں مصدروں کی بھی یہی صورت ہے کہ

اِن کو دونوں طرح (بِدھنا، بِنْدھنا۔ بیدھنا، بینْدھنا) لکھا گیا ہے اور استعمال کیا گیا ہے۔ اِن چاروں مصدروں کی اِن دونوں صورتوں کو صحیح مان لینا چاہیے۔ البتّہ نصابی کتابوں کے لیے ترجیحی صورت نونِ غنّہ کے بغیر (بھچنا، بھیچنا۔ بِدھنا، بیدھنا) مان لینا چاہیے۔

پوچھنا، پچھوانا (پوچھ پچھ)۔ سوچنا (سوچ بچار)۔

یہ دونوں مصدر اور اِن سے بننے والے فعل ایک زمانے میں مع نونِ غنّہ (سونچنا، پونچھنا) بھی لکھے جاتے تھے، مگر اِس طرح کم لوگ لکھتے تھے۔ زیادہ تر اِن کو نونِ غنّہ کے بغیر لکھا گیا ہے اور اِسی طرح لکھنا چاہیے۔

پُونچھنا، پُنچھوانا (پُونچھن، پُونچھ پانچھ کر)۔ پچھنا۔

اِس مصدر میں بھی نونِ غنّہ کے ہونے یا نہ ہونے سے متعلق اختلاف ہے۔ ترجیحی صورت یہی ہے کہ "پونچھنا" کو مع نونِ غنّہ لکھا جائے اور اُس کے لازم "پچھنا" کو نونِ غنّہ کے بغیر۔

پھنسنا، پھانسنا، پھنسانا، پھنسوانا (پھنساوا، پھنساو، پھانس پھولس کر، اَڑاو پھنساو)۔

پھانکنا، پھنکوانا۔ پھاندنا، پھندانا (کود پھاند) پہنچنا، پہنچانا، پہنچوانا (پہنچ)۔

پُھنکنا، پھونکنا، پُھنکوانا (پھونک، جھاڑ پھونک، پھونک پھونک کر، پھونک مارنا، پُھنکا جا رہا ہے، پھنک رہا ہے)۔

یہ خیال رہے کہ "پھوک" ایک اور لفظ ہے۔ گنڈیری وغیرہ کا رس نکل جانے کے بعد جو ثُفل بچتا ہے، اُس کو "پھوک" کہتے ہیں۔ مجازاً: خالی، کھوکھلا، بے وزن۔

پِھنٹنا، پھینٹنا، پھنٹوانا (پھینٹ) ـــ پھینچنا، (پھنچائی)، پھنکنا، پھینکنا، پھنکوانا (پھینک پھانک کر)۔ تاننا۔ تونْنا (تونس)۔ ٹانچنا ـــ ٹنکنا، ٹانکنا، ٹنکانا، ٹنکوانا (ٹانکا، ٹنکائی، ٹنکوائی)۔

ٹنگنا، ٹانگنا، ٹنگوانا۔ ٹونگنا۔ ٹھونسنا، ٹھنسنا، ٹھنسوانا
(ٹھونس ٹھانس)۔ ٹھاننا، ٹھنسنا۔

ہاں، ایک لفظ "ٹھس" بھی ہے: نکمّا، سست، کُند ذہن آدمی۔ وہ روپیا جس میں جھنکار نہ ہو (وغیرہ)۔ "ٹھس پن" میں یہی لفظ ہے۔ ایک اور لفظ ہے "ٹھوس"۔ اِن دونوں میں نونِ غنّہ موجود نہیں ــــ اِسی طرح ایک مرکب ہے "ٹھسا ٹھس"۔ یہ بھی نونِ غنّہ کے بغیر مستعمل ہے اور اِس کو بھی اِسی طرح (نون کے بغیر) لکھنا چاہیے۔

ٹھونکنا، ٹھنکنا، ٹھنکوانا (ٹھونک بجا کے، ٹھونک پیٹ کر، ٹھونک ٹھانک کے، کیل ٹھونکنا)۔

جانچنا، جنچوانا، جنچنا (جانچ، جانچ پرکھ، جنچا تُلا)۔

جھانکنا، جھنکانا۔ جھنجلانا، جھنجلاہٹ)۔

جھنجوڑنا۔ جھونکنا (جھونک، جھونکا، نوک جھونک، جھونک سنبھالنا، جھونک مارنا، جھونک دینا)۔

جھونکنا۔ جھینکنا۔

ایک دوسرا مصدر ہے "جھکانا"۔ اِس کے معنی ہیں: حیران کرنا، مغالطہ دینا۔ اِسی سے "جھکائی" اور "جھکائی دینا" بنے ہیں۔ نونِ غنّہ کے بغیر ہے۔

چھانٹنا، چھنٹنا، چھنٹوانا (چھنٹائی، کاٹ چھانٹ، چھانٹن، چھنٹیل، لغت چھانٹنا، منطق چھانٹنا، قابلیت چھانٹنا، چھنٹوائی)۔

یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ "چھٹنا" نونِ غنّہ کے بغیر بھی آتا ہے، جیسے: ابر چھٹ گیا، وہ تو چھٹا ہوا بدمعاش ہے، کارخانے میں چھٹنی ہونے والی ہے۔

چھونکنا۔ چھینکنا (چھینک)۔ دُھوانْسنا (دُھواں جانا)۔

دُھنکارنا۔ دھونکنا (دھونکنی)۔

دھنسنا، دھنسنا، دھسانا (دھسان، بھیڑیا دھسان،

دَھس جانا)۔ دَھانسنا۔
ڈانٹنا (ڈانٹ، ڈانٹ ڈپٹ، ڈانٹ پھٹکار)۔
ڈھانکنا، ڈھانپنا۔
ڈُھکنا (ڈھکّن، ڈھکنی، ڈھکنا، سرڈھکنا)۔
سانٹھنا (سانٹھ گانٹھ)۔ سِنکنا، سینکنا، سِنکوانا (سینک، سِنکائی)۔ سنبھلنا، سنبھلوانا (سنبھالالینا)۔ سنبھالنا۔ سنورنا، سنوارنا۔ سونپنا۔ سونگھنا، سُنگھانا۔ سونلانا۔ سَینتنا۔
سینچنا، سِنچنا (سِنچائی)۔
کھاندنا، کھندوانا۔ کانکھنا۔ کھانسنا۔ کوندنا (کوندا) کُھدلنا۔ کھنکارنا۔ کھنگالنا۔ کھنڈنا۔ کھوُندنا۔ کھونکیانا۔
کھنچنا، کھینچنا، کھنچانا، کھنچوانا (کھینچ کھانچ، اینچ کھینچ، کھنچاوٹ، کھینچ تان، کِھنچ جانا، کِھنچا چلا آنا، کھنچ آنا، کھینچے پھرنا، کھنچے کھنچے [illegible]رنا)۔
کھونسنا۔ کونچنا۔ گجولنا۔ گونجنا۔ گنوانا۔ گندھنا، گوندھنا، گُندھانا، گندھوانا۔ گھنگولنا۔ گھمنڈنا۔ گھونپنا۔ گانسنا۔
گُونتھنا، گُتھنا، گُتھوانا (گُتھی، گتھم گتھا، گتھ جانا)۔
گانٹھنا (گانٹھ، سانٹھ گانٹھ)۔
گٹھنا، گٹھانا، گٹھ جانا، گٹھوانا (گٹھیلا، گٹھاو، گٹھا ہوا، گٹھائی، گٹھوتی، گٹھوائی)۔
گھونٹنا (جیسے: گلا گھونٹنا)۔ گھوٹنا (رگڑنا، حل کرنا، چکنا کرنا، رٹنا) گھٹنا، گھٹانا، گھٹوانا (گھٹن، گھٹائی، گھٹا ہوا، گھوٹا لگانا، گُھٹائی، گھوٹ چھان کے، دال گھوٹنا)
لانگھنا، لُنڈھنا، لُنڈھانا۔ ماںجنا، منجانا۔ منجھنا، منجھانا (منجھا ہوا)۔ مُندنا، مُوندنا۔ مُنڈنا، مونڈنا، منڈانا، منڈوانا (مُنڈائی، مُونڈن)۔

مَنڈھنا، مَنڈھانا، مَنڈھوانا ۔ مَنڈلانا۔ مانگنا، منگانا، منگوانا، (منگتا)۔ ناندھنا۔ ناگھنا۔

ہانپنا۔ ہانکنا، ہنکانا، ہنکوانا (ہانکا، ہنکوا، ہنکنی (کوّا ہنکنی)۔ ہَنڈنا، ہنڈانا (ہنڈتے پھرنا)۔ ہنسنا، ہنسانا، ہنسوانا (ہنسوڑ، ہنسی، جگ ہنسائی)۔ ہونسنا۔ ہونکنا۔

واو

اب سے پہلے کچھ لفظوں میں پیش کو ظاہر کرنے کے لیے واؤ لکھا جاتا تھا، جیسے "اُس" کو "اوس" لکھتے تھے یا "پہنچنا" کو "پہونچنا"، یا "دکان" کو "دوکان"، "اُٹھانا" کو "اوٹھانا"، اُدھر کو "اودھر" ۔ اب یہ طریقہ ختم ہوچکا ہے، اس لیے ایسے لفظوں میں اب اس واو کو نہیں لکھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر ایسے چند لفظ (صحیح صورت میں) لکھے جاتے ہیں :

دُکان، اُس، اُن، مُٹاپا، نُکیلا، جُلاہا، لُہار، مُچھندر، اُدھار، دُلھن، دُہائی، دُدھیل، دُہرا، دُہرانا، کُمہار، دُلائی، گُیاں، گُھیّاں، ٹُیّاں، گُنیا، پُربیا، خُرد، پہنچنا، پہنچا۔

بہت سے مرکّبات ایسے ہیں جن کا پہلا ٹکڑا "دو" ہے۔ ان میں واو تلفّظ میں پوری طرح نہیں آتا۔ اِن کو اِسی طرح یعنی واو کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ ایسے کچھ مرکّبات :

دوآبہ، دوآتشہ، دوبارہ، دوپارہ، دوپلّا، دوپلّی، دوپہریا، دوپلکا، دوپٹّا، دوچار، دوچند، دوخصمی، دودستی، دودھارا، دوراہا، دورنگا، دورنگی، دورویہ، دوسالہ، دوزانو، دوسوتی،

دوشالہ، دوشنبہ، دوعملی، دوشاخہ، دوطرفہ، دوگانہ، دولتّی، دومحلا، دوبالا، دومنزلا، دومُنہا، دو ورقہ، دوسُرّ ملا، دوہاجو۔

اوپر جو لفظ لکھے گئے ہیں اُن میں "دوپٹّا" بھی ہے۔ خیال رکھنے کی بات یہ ہے کہ اِسے "دوپٹّہ" یا "ڈوپٹّہ" نہیں لکھنا چاہیے۔

○ ——— رومال: یہ کلمہ دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ رو: چہرہ۔ مال: فارسی کے مصدر "مالیدن" کا امر۔ مالیدن کے معنی ہیں: ملنا۔ اِس میں واو کبھی تلفّظ میں آتا ہے اور کبھی نہیں آتا۔ ہر صورت میں اِسے واو کے ساتھ لکھا جائے گا۔

اِسی سے "رومالی" بنا ہے، جیسے: رومالی روٹی، رومالی سوّیاں۔ اِس میں بھی واو شامل ہے۔ ہاں، پاجامے کی "رُمالی" ہوتی ہے۔ اِس فرق کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

○ ——— دُگنا: "تِگنا" اور "تِگنی" کی طرح "دُگنا" اور "دُگنی" واو کے بغیر تلفّظ میں آتے ہیں اور اِسی طرح لکھے بھی جاتے ہیں۔ اِن کو اِسی طرح لکھنا چاہیے۔

ہاں، کبھی "دوگنا" (دو۔ گنا) واو کے ساتھ تلفّظ میں آتا ہے، یہ گویا الگ لفظ ہو گیا۔ جب یہ اِس طرح تلفّظ میں آئے، تو پھر اِس میں واو لکھنا چاہیے۔

○ ——— عمرْو: یہ نام ہے۔ اِس میں مؔ اور رؔ دونوں ساکن ہیں اور عؔ پر زبر ہے۔ اِس کے آخر میں ایک زائد واو لکھا جاتا ہے اور اِس لیے لکھا جاتا ہے کہ حضرت عُمرؓ کے نام سے یہ الگ رہے۔ یہ واو پڑھنے میں نہیں آتا۔ عمرو عیّار کا نام بہتوں نے سُنا ہو گا۔

○

کچھ لفظوں میں واو تو لکھا جاتا ہے، مگر پڑھنے میں نہیں آتا۔ اِس کو "واوِ معدولہ" کہتے ہیں۔ زیادہ استعمال میں آنے والے ایسے مرکّبات یہ ہیں:

خواب، خواب گاہ، خواب و خور، خواجہ، خواجہ تاشں، خواجہ سرا، خواجگان، خواجو، خوار، خواستن، خواستگار، خواستگاری، درخواست، خدا نخواستہ، خواہ، خواہ مخواہ، خواہش، خواہاں، خواہی نخواہی، دل خواہ۔
اُستخوان، تنخواہ، خوان، خوانچہ، خوان سالار، خوان پوش، خواندن، خواندہ، نوشت و خواند، خواندگی، افسانہ خواں، کتاب خواں، خوردن، خوردہ، پس خوردہ، خورد بُرد، خوردنی، خورش، خوراک، خورد و نوش، برخوردار، درخور۔
خود، خودی، خوددار، خود رفتہ، خود سر، خود ستائی، خود نمائی، خود شناسی، خود بہ خود، خود کاشت، خود کشی، خودکار۔
خوش، خوشی، خوشا، خوش باش، خوش بو، خوش گپیاں، خوش خوراک، خوش فعلی، خوش دامن، خوشنود، خوشنودی، خوش نما، خوشامد، خوشامدی، خورشید، خویش، (اپنا۔ داماد) ہفت خوان، خواہر۔ کم خواب۔

"خورشید" اور "کم خواب" یہ دو لفظ ایسے ہیں کہ ان کو "خرشید" اور "کمخاب" بھی لکھا گیا ہے؛ مگر اِن کو مع واو (خورشید۔ کم خواب) لکھنا چاہیے۔

○

کچھ لفظوں میں اصلاً واوِ معدولہ موجود نہیں، لیکن غلطی سے بعض لوگ لکھ دیتے ہیں۔ جیسے ایک لفظ ہے "خُرد"۔ یہ "بزرگ" کا متضاد ہے۔ "خُرد" کے معنی ہیں: چھوٹا۔ اِسی سے "خرد و کلاں" بنتا ہے (چھوٹے بڑے)۔ اِسے غلطی سے "خورد" بھی لکھ دیا جاتا ہے، حالاں کہ "خورد" دوسرا لفظ ہے؛ یہ فارسی کے مصدر "خوردن" کا فعلِ ماضیِ مطلق ہے۔ "خوردن" کے معنی ہیں: کھانا۔ "خورد" کے معنی ہیں: کھایا۔ ایسے کچھ لفظ:

خُرد، خُردی بزرگی، خُردسال، خردوکلاں، خُردنُوکا (چھوٹی نوک کا جوتا)۔ خرّسند، خرّسندی۔ خرّم، خرّمی۔ برخاست، برخاستگی۔ خُردہ (ٹکڑا، ریزہ، ریزگاری)۔ خُردہ فروش (تھوک فروش کا متضاد) روپیا خردہ کرانا۔ خُردبین، خُردہ (عیب)، خُردہ گیر (عیب نکالنے والا)۔

○ ـــــ ''ذو،، عربی کا لفظ ہے جو بہ طور سابقہ آتا ہے، جیسے: ذومعنی۔ جب اِس کے بعد ترکیب کا الف لام آئے گا تو واو پڑھنے میں نہیں آئے گا، مگر لکھا ضرور جائے گا، جیسے:

ذوالفقار، ذوالجلال، ذوالجناح، ذوالنّورین، ذوالنّون، ذوالقرنین، ذوالمنن۔

○ ـــــ الوالعزم، الوالعزمی، الوالامر؛ عربی کے یہ لفظ اردو میں مستعمل ہیں۔ اِن میں واو دونوں جگہ پڑھنے میں نہیں آتا، مگر لکھا ضرور جائے گا۔

○ ـــــ چھُوارا: اِس کو ''چھُہارا،، بھی لکھا گیا ہے۔ اب اِس کو صرف ایک طرح ''چھُوارا،، لکھنا چاہیے۔

○ ـــــ پھُوار: اِس لفظ کو کئی طرح لکھا گیا ہے: پھار، پھوآر، پھوہار، پھُہار، پھُوار۔ اب اِس کو ''پھُوار،، لکھنا چاہیے۔

○ ـــــ جزُ: اِس کے معنی ہیں ٹکڑا۔ اِس معنی میں یہ عربی کا لفظ ہے۔ عربی میں ''جزء،، تھا۔ فارسی میں آکر یہ ''جزُ،، رہ گیا۔ البتہ ''جزئی،، اور ''جزئیات،، میں ہمزہ واپس آجاتا ہے۔ فارسی ہی میں اِس میں واو کا اضافہ ہوا، یوں یہ ''جزو،، بن گیا۔

جب یہ فارسی ترکیب کے ساتھ آئے تو اِسے ''جزو،، لکھنا چاہیے، جیسے: جزوِ بدن۔ مفرد صورت میں دونوں طرح لکھا جاسکتا ہے، لیکن اچھا یہ ہے کہ ''جزُ،، لکھا جائے، جیسے:

ع جزُ مرتبۂ کُل کو حاصل کرے ہے آخر

"جُز"، سے جزدان، جز رسی، جُز بندی بنتے ہیں۔ اِس کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ "کُلّی"، کے مقابلے میں "جزئی"، لکھا جائے اور "کلّیات"، کے مقابلے میں "جزئیات"۔ ویسے "جزوی"، لکھنا چاہیے، جیسے: یہ بات جزوی طور پر درست ہے۔

"جُز"، جس کے معنی ہیں: سِوا، وہ فارسی کا لفظ ہے اور اِسی طرح استعمال میں آتا ہے، جیسے:

ع: جُز ترے کچھ نظر نہیں آتا۔ ع: جُز قیس اور کوئی نہ آیا بہ روے کار

—— روپیا، روپے: "روپیا"، کا تلفّظ کئی طرح کیا جاتا ہے، مگر اِس کو لکھا جاتا ہے ایک ہی طرح۔ یعنی اِس میں واو ضرور لکھا جاتا ہے اور ضرور لکھنا چاہیے، یعنی: روپیا، روپے "روپے"، میں واو تلفّظ میں نہیں آتا، مگر لکھا جاتا ہے اور ضرور لکھنا چاہیے۔ البتّہ "رُپہلا"، اور "رُپہلی"، کو واو کے بغیر لکھنا چاہیے۔

○

ہ

ہ تین طرح کی ہوتی ہے: ہاے ملفوظ، ہاے مخلوط، ہاے مختفی۔

ہاے ملفوظ:

ہاے ملفوظ، وہ ہ ہے جو پوری طرح تلفّظ میں آئے۔ لفظ کے شروع میں، بیچ میں، آخر میں؛ ہر جگہ آتی ہے۔ جب یہ شروع میں آتی ہے تو شوشے دار لکھی جاتی ہے اور پہچان کے لیے اُس کے نیچے ایک اور شوشہ لگا دیتے ہیں، جسے "لٹکن"، بھی کہتے ہیں۔ جیسے: ہم، ہو، ہر۔

جب یہ بیچ میں آتی ہے، تو اِسے کُھنی دار لکھا جاتا ہے اور پہچان والا شوشہ (یا لٹکن) بھی ضرور لگایا جاتا ہے جیسے: بہت، کہنا، تہوار۔

جب یہ لفظ کے آخر میں آتی ہے اور کسی حرف سے ملا کر لکھی جاتی ہے؛ تو

اِسے ہائے مختفی کی طرح شوشے کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ یعنی جس طرح ہائے مختفی کا شوشہ بنایا جاتا ہے، اُسی طرح ہائے ملفوظ کا شوشہ بنایا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ لفظ کے آخر میں ہائے ملفوظ اور ہائے مختفی، دونوں کی شکل ایک جیسی ہوتی ہے۔ پہچان یہ ہوتی ہے کہ ہائے مختفی کے نیچے وہ شوشہ یا لٹکن نہیں بنایا جاتا جو ہائے ملفوظ کے نیچے بنایا جاتا ہے۔ مثلاً "نہیں" کے معنی میں "نہ" بھی لکھا جاتا ہے (جیسے: نہ کرو، نہ جاؤ)۔ اِس مقابلے میں ایک لفظ ہے "نہٖ"، اِس کے معنی ہیں: نو (نہٖ فلک: نو آسمان)۔ اِس کے آخر میں ہائے ملفوظ ہے، اِس لیے اِس کے نیچے شوشہ لگایا گیا۔ "نہ" اور "نہٖ" میں فرق یہی ہے اور اِسی شوشے سے معلوم ہوتا ہے کہ "نہ" میں ہائے مختفی ہے اور "نُہٖ" میں ہائے ملفوظ ہے۔

ایک لفظ ہے "گناہ"، اِس کے آخر میں ہائے ملفوظ ہے۔ اِس کی مخفّف صورت "گُنہٖ" ہے، اِس کے آخر میں بھی وہی ملفوظ ہ ہے، اِسی لیے اُس کے نیچے شوشہ ضرور لگایا جائے گا، کیوں کہ اِسی شوشے سے ملفوظ ہ کی پہچان ہوتی ہے۔

ایک لفظ ہے "ماہ"، اِس کے معنی ہیں: چاند۔ اِس کی مخفّف صورت "مہٖ" ہے۔ "ماہ" کے آخر میں ملفوظ ہ ہے، اُسی طرح "مہٖ" کے آخر میں بھی ملفوظ ہ ہے، اِسی لیے اُس کے نیچے شوشہ ضرور لگایا جائے گا۔ "وجہٖ" عام لفظ ہے (اِس کی جمع "وجوہ" آتی ہے)، اِس کے آخر میں ہائے ملفوظ ہے، اِسی لیے اِسے "وجہٖ" لکھا جائے گا۔ اِسے اگر شوشے کے بغیر "وجہ" لکھا جائے تو معلوم نہیں ہوگا کہ اِس کے آخر میں جو ہ ہے، وہ مختفی ہے یا ملفوظ۔ مشہور شعر ہے:

وجہِ بے گانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو، واں کے ہم بھی ہیں

پہلے مصرعے میں لفظِ "وجہ" اضافت کے ساتھ آیا ہے، یعنی اضافت

کا زیر لگایا جائے گا اور اِس کے لیے پہلے ہ کے نیچے شوشہ لگایا جائے گا اور پھر اُس شوشے کے نیچے اضافت کا زیر لگایا جائے گا۔

یہاں اِس قاعدے کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن لفظوں کے آخر میں مختفی ہ ہوتی ہے، اضافت کی صورت میں اُس ہ پر ہمزہ لکھا جاتا ہے، جیسے: پردۂ غفلت، جلوۂ شمعِ حرم، درجۂ نجم، رتبۂ بلند۔ اِس کے مقابلے میں جن لفظوں کے آخر میں ملفوظ ہ ہوتی ہے، اضافت کے عام قاعدے کے مطابق اُس ہ کے نیچے اضافت کا زیر لگایا جاتا ہے جیسے: مہِ کامل، وجہِ بے گانگی۔ مرزا غالب کا مصرع ہے:

پوچھ مت وجہِ سیہ مستیِ اربابِ چمن

اِس میں دو لفظ ایسے ہیں جن کے آخر میں ہائے ملفوظ ہے: وجہ (وَ جْ ہْ) اور "سیہ" (سِ یَ ہْ) جو "سیاہ" کا مخفف ہے؛ اِسی لیے "وجہ" اور "سیہ" دونوں میں ہ کے نیچے شوشہ ضرور لگایا جائے گا۔

"کہنا" مصدر ہے، اِس کا ماضیِ مطلق ہے "کہا"؛ دونوں لفظوں میں چوں کہ ہ بیچ میں آئی ہے، اِس لیے اُسے "کھٹی دار" لکھا گیا ہے اور اُس کے نیچے ملفوظ ہ کی پہچان کا شوشہ لگایا گیا ہے ـــــ مصدر "کہنا" ہے، اِس سے فعلِ امر "کہہ" بنے گا (کَ - ہ)۔ جس طرح "چلنا" کا امر "چل" اور "ملنا" کا "مِل" ہے، اُسی طرح "کہنا" کا امر "کہہ" ہے۔ یہ دو حرفی لفظ ہے (کَ - ہْ)؛ اِسے اگر "کہہ" لکھا جائے تو یہ تین حرفی بن جائے گا اِس طرح کہ آخر میں جو ملفوظ ہ ہے، اُس کے بعد ایک مختفی ہ بڑھا دی گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ ٹھیک نہیں کہ دو حرفی لفظ کو تین حرفی بنا دیا جائے، اِس طرح کہ آخر میں ایک فالتو ہائے مختفی بڑھا دی جائے۔

کہنا، رہنا، بہنا، سہنا؛ اِن سب مصدروں میں "نا" تو مصدر کی علامت ہے، اُس کو نکال دیا تو جو ٹکڑا بچے گا وہ فعلِ امر ہوگا۔ جیسے ایک مصدر ہے "چلنا"۔ اُس میں سے مصدر کی علامت "نا" کو نکال دیا گیا، تو "چل" بچے گا اور یہی فعلِ امر ہے "چلنا" کی طرح "کہنا" میں

سے بھی "نا" کو جو علامتِ مصدر ہے، ہٹا دیا گیا، تو "کہ" بچے گا (ک۔ہ) "چل" کی طرح یہ بھی دو حرفی لفظ ہے۔ اِس میں پہلا حرف کاف ہے اور دوسرا حرف ہ ہے (ہائے ملفوظ) اِسی لیے اِس کو "کہ" لکھا جائے گا۔ اوپر لکھے گئے مصدروں سے فعلِ امر اِس طرح بنیں گے:

کہ، رہ، بہ، سہ۔

کہ، بہ، سہ؛ اِن تینوں لفظوں کے آخر میں ملفوظ ہ ہے (جو پوری طرح تلفظ میں آتی ہے) اِس لیے اِس ہ کے نیچے شوشہ ضرور لگایا جائے گا۔ چند مثالیں:

دریا بہ رہا ہے۔ وہ مصیبت نہیں سہ سکے گا۔ تم کیا کہ رہے ہو۔ نہ کہہ کہ طاقتِ رسوائیِ وصال نہیں۔

آخری مثال میں "کہ" میں ہائے ملفوظ ہے اور "کہ" میں ہائے مختفی ہے اور ملفوظ ہ کی پہچان یہی ہے کہ اُس کے نیچے شوشہ لگایا گیا ہے ــــ ایسے کچھ لفظ جن کے آخر میں ہائے ملفوظ ہے:

تہ، شہ، مہ، گنہ، مُنہ، جگہ، سیہ، وجہ، مُشابہ، بارگہ، والہ، کارگہ، فقہ، توجہ، مُشتبہ، فربہ، کُنہ، عَلَیہ، اِلَیہ، دیہ ــ فقیہ، وجیہ، توجیہ، تنبیہ، تشبیہ، شبیہ، کریہ، سفیہ، تنزیہ ــ اِلٰہ ــــ بہ، سہ، کہ، بیہ، نُہ۔

پکھ لفظ ایسے ہیں جن کے آخر میں دو ہ ہیں؛ پہلی ملفوظ ہ اور دوسری ہائے مختفی، مثلاً: قہقہہ (ق ہ ق ہ ہ)، تجبہہ، مشافہہ، شبہہ، امرد ہہ، شش ماہہ۔ اِن سب لفظوں میں آخری ہ مختفی ہے اور اُس سے پہلے ملفوظ ہ ہے ــ چوں کہ ملفوظ ہ بیچ میں آئی ہے، یوں اُس کو گھنی دار لکھا جائے گا اور آخری ہ چوں کہ مختفی ہے، اِس وجہ سے اُس کے نیچے شوشہ نہیں آئے گا۔

بعض لفظوں کو کئی طرح لکھا جاتا رہا ہے اور بعض لفظوں میں ہ کی جگہ غلطی سے ح لکھ دی جاتی ہے؛ ایسے لفظوں کی اُن صورتوں کو نیچے پیش کیا جارہا ہے جن کو اب اختیار کرنا چاہیے۔

○ ــــ ہائل۔ حائل: "ہائل" کے معنیٰ ہیں: ہول ناک، ڈرانے والا۔ "حائل" کے معنیٰ ہیں: بیچ میں آنے والا، روک، جیسے: پردۂ حائل۔ ان دونوں لفظوں کے استعمال میں معنیٰ کے اِس فرق کا لحاظ رکھنا چاہیے، جیسے: دیوار حائل ہے۔ واقعۂ ہائلہ (ہول ناک واقعہ)۔

○ ــــ ہامی۔ ہامی بھرنا: "ہامی بھرنا" کے معنیٰ ہیں: اقرار کرنا، ہاں کرنا۔ اور "حامی" کے معنیٰ ہیں: محافظ، مددگار۔ یہ عربی کا لفظ ہے۔ "ہامی" اردو کا لفظ ہے۔ مثلاً اِس شعر میں "ہامی" آئے گا:

کیوں مرے قتل پہ ہامی کوئی جلاّد بھرے
آہ، جب دیکھ کے، تجھ سا ستم ایجاد بھرے

○ ــــ تہس نہس: اِس کو "تحس نحس" لکھنا ٹھیک نہیں۔ دونوں ٹکڑوں میں ہ ہے۔

○ ــــ ہرج، ہرجانا، ہرجا خرچا: اِن سب میں ہ لکھنا چاہیے، جیسے: کام کا ہرج ہو رہا ہے۔ اِسی سے "ہرج مرج" بنا ہے۔ اور ہاں، "ہرجانا" کے آخر میں الف ہے، اِس کو "ہرجانہ" لکھنا ٹھیک نہیں۔

○ ــــ گرستی۔ گھر گرستی: اِن کو اِسی طرح لکھنا چاہیے۔
تھاہ، اَتھاہ، کھوہ (جیسے: پہاڑی کھوہ میں): اِن تینوں لفظوں کے آخر میں ہائے ہوّز (ہ) ہے، اِسے ضرور لکھا جائے گا۔

○ ــــ پروا: پُرانے زمانے میں اِسے "پرواہ" بھی لکھا گیا ہے؛ مگر عام طور پر "پروا" اور "بے پروائی" بولتے اور لکھتے ہیں اور اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ "پروا" فارسی کا لفظ ہے اور اِس کے آخر میں ہ نہیں۔ اِسی

لیے اضافت کی صورت میں "پروانۂ زندگی" لکھتے اور بولتے ہیں۔

○ ـــــ اُفّوہ : اِس کے آخر میں ہائے ملفوظ ہے، اِس لیے اِسے اِسی طرح "اُفّوہ" لکھنا چاہیے۔ اِس کا اِملا "اُفّو" ٹھیک نہیں۔

○ ـــــ ٹھَہَرنا : یہ لفظ تین طرح ملتا ہے : ٹھہرنا، ٹھیرنا، ٹھرنا۔ آخری دونوں شکلیں اب سے کچھ پہلے تک کی کتابوں میں ملتی ہیں؛ بل کہ یوں کہیے کہ پُرانے استادوں نے اِسے اِس طرح بھی لکھا ہے۔ مولانا حالی کا مشہور شعر ہے :

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

آج کل عام طور پر "ٹھہرنا" لکھتے ہیں اور اب اِسی ایک املا کو اختیار کر لینا چاہیے، یعنی :

ٹھہرنا، ٹھہر، ٹھہر تو جا، ٹھہرے گا، ٹھہرتا ہے، ٹھہرا تھا۔

ہائے مختفی

ہائے مختفی لفظ کے آخر میں آتی ہے۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ عام طور پر یہ ہ عربی، فارسی لفظوں کے آخر میں آتی ہے (جیسے : درجہ، مرتبہ)۔ ہائے مختفی سے پہلے جو حرف ہوتا ہے، اُس پر زبر ہوتا ہے (تین چار لفظوں کو چھوڑ کر اور یہ استثنا ہے) جیسے : کعبہ، مرثیہ۔ ایسے لفظوں کی جب جمع بنائی جاتی ہے، تو اُن میں دو تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آخر کی مختفی ہ کی جگہ یائے مجہول (ے) آجاتی ہے۔ دوسری تبدیلی یہ ہوتی ہے کہ اُس سے پہلے والے حرف پر جو زبر ہوتا ہے، وہ زیر سے بدل جاتا ہے۔ جیسے : ایک قصیدہ، دو قصیدے۔ درجہ، درجے۔ مرثیہ، مرثیے، جذبہ، جذبے۔ اِسی طرح جب ایسے لفظوں کے بعد نے، سے، کے، کو، کی، کا، پر جیسے کلمے آتے ہیں، تب بھی یہی ہوتا ہے کہ ہ کی جگہ ے آجاتی ہے، جیسے :

پردے پر، کعبے میں، غصّے سے، قبضے کو، درجے کی پڑھائی، مرثیے کی تعریف مرتبے کی بلندی۔

اِس بات کو ایک اور طرح بھی سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے ایک لفظ ہے "گھوڑا"۔ جب اِس کی جمع بنائیں گے، کیا تب بھی "گھوڑا" کہیں گے؟ نہیں کہیں گے نا! اُس صورت میں "گھوڑے" کہیں گے، جیسے: چار گھوڑے۔ اِسی طرح "گھوڑا پر بیٹھے" نہیں کہیں گے، "گھوڑے پر بیٹھے" کہیں گے ـــــ یا جیسے کہیں گے کہ "لڑکا آیا"، لیکن یہ نہیں کہیں گے کہ "لڑکا آئے تھے"، یا "لڑکا نے کہا"۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ذہن پر ذرا سا زور ڈالیں تو بات سمجھ میں آجائے گی کہ ایسی صورتوں میں ایسے لفظوں کا تلفّظ بدل جاتا ہے۔ جب تلفّظ بدل جاتا ہے، تو املا بھی بدل جاتا ہے ـــــــ اصول یہ بنا کہ جب جمع کی صورت میں یا اُس صورت میں کہ لفظ کے بعد "کا"، "کے"، جیسا کوئی کلمہ آئے اور اُس لفظ کا تلفّظ بدل جائے (یعنی آخر میں جو ہائے مختفی یا الف ہے، اس سے پہلے والے حرف کا زبر، زیر سے بدل جائے) ایسی صورت میں آخر کی ہ یا الف، جو حرف بھی ہو، وہ ے سے بدل جائے گا۔ جن لفظوں کا تلفّظ ایسی صورت میں نہیں بدلتا، اُن میں یہ تبدیلی بھی نہیں ہوتی۔ مثلاً "درجہ" میں ج پر زبر ہے اور "لڑکا" میں ک پر زبر ہے۔ جب "لڑکے" کہا یا "درجے" کہا، تو اِن حرفوں کا زبر، زیر سے بدل گیا؛ اِس لیے اِن کے آخر میں الف یا ہ کی جگہ ے آجائے گی۔ "خدا سے کہا"، یا "دعائیں" کہا تو تلفّظ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، اِس لیے ایسے لفظوں میں آخر کا الف اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔

ذرا مرزا داغ کے اِس شعر کو دیکھیے:

کسی کا مجھ کو نہ محتاج رکھ زمانہ میں
کمی ہے کون سی یارب! ترے خزانے میں

آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں نے اِس شعر کو صحیح طور پر نہیں لکھا۔ یوں لکھنا چاہیے تھا:

کسی کا مجھ کو نہ محتاج رکھ زمانے میں
کمی ہے کون سی یارب! ترے خزانے میں

چوں کہ پڑھنے میں " زمانہ میں" نہیں آتا، "زمانے میں" پڑھتے ہیں، اس لیے "زمانے میں" لکھنا چاہیے تھا۔ داغ ہی کا شعر ہے :

کون بے کس کی زمانہ میں خبر لیتا ہے
دل نے سینہ میں بہت شور مچایا تھا

دونوں مصرعوں میں املا کی دو غلطیاں ہیں۔" زمانے میں" اور " سینے میں" لکھنا چاہیے تھا۔" وہ پانچویں درجہ میں پڑھتے ہیں"۔ اِس جملے میں بھی املا کی وہی غلطی ہے " درجے میں" صحیح املا ہے۔

جن شہروں کے آخر میں "ہ" لکھی جاتی ہے، ایسی صورتوں میں اُن کو بھی اِسی قاعدے کے مطابق لکھا جائے گا۔ مرزا غالب کی مشہور غزل کا شعر ہے :

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر میرے سینہ میں مارا کہ ہائے ہائے

" کلکتے کا" اور " سینے میں" لکھنا چاہیے تھا۔

کوئی چھینٹا پڑے تو داغ! کلکتے چلے جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

یہاں صحیح طور پر " کلکتے" لکھا گیا ہے۔ اگر " کلکتہ چلے جائیں" لکھا جاتا، تو املا غلط ہو جاتا۔

○

جن لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی ہوتی ہے، وہ جب منادا ہوتے ہیں تب بھی اُن کے آخر میں "ہ" کی جگہ "ے" آجاتی ہے، جیسے : اے بچّے! اے بندے! (اصل لفظ " بچّہ" اور " بندہ" ہیں)۔

" اے" حرفِ ندا ہے؛ جس اسم سے پہلے آتا ہے، اُسے منادا کہتے ہیں۔ جیسے " اے بچّے" میں " اے" حرفِ ندا ہے اور " بچّے" منادا ہے۔

حرفِ ندا (اَے) کبھی تو لفظ سے پہلے آتا ہے اور کبھی نہیں آتا، مثلاً :

غنچے! تری زندگی پہ دل ہلتا ہے
بس ایک تبسم کے لیے کھلتا ہے

یہاں "غنچے"، منادا ہے، اُس سے پہلے حرفِ ندا (اے)، نہیں آیا۔ ایسے موقعوں پر یہ مان لیا جاتا ہے کہ حرفِ ندا چھپا ہوا ہے۔

اِس بیان کو ذرا تفصیل سے یوں لکھا گیا ہے کہ ایسی غلطیاں بہت زیادہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ طالبِ علم بھی کیا کریں، اِن کو جو کتابیں پڑھنے کو ملتی ہیں، اُن میں ایسی بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں۔ ہمیں اِس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ غلطی کوئی بھی کرے، وہ غلطی ہے، اُس کی تقلید نہیں کی جائے گی۔ ہماری کوشش یہ ہونا چاہیے کہ ہم صحیح املا لکھیں۔ ذرا دیر کے لیے مان لیجیے کہ کسی کتاب میں یہ شعر لکھا ہوا ہے :

باغباں نے آگ دی جب آشیانہ کو مرے
جن پہ تکیہ تھا، وہی پتّہ ہوا دینے لگے

تو ہم کہیں گے کہ اِس شعر میں املا کی دو غلطیاں ہیں۔ "آشیانے کو"، اور "پتّے"، ہونا چاہیے۔

کئی ملکوں یا علاقوں کے نام ایسے ہیں جن کے آخر میں مختفی ہ لکھی جاتی ہے، جیسے : امریکہ، قسطنطنیہ، انقرہ، افریقہ۔ یہ لفظ اِسی طرح لکھے جاتے ہیں اور اِن کو اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ اِس کے ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ ان لفظوں کے املا میں کسی صورت میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوگی، جیسے : امریکہ سے، افریقہ میں، قسطنطنیہ کو، انقرہ پر۔

یہ دل چسپ بات ہے کہ کچھ شہر، ملک اور علاقے ایسے ہیں، جن کے املا میں تبدیلی نہیں ہوتی؛ خواہ اُن کے آخر میں ہ ہو یا الف، جیسے : آسٹریلیا کناڈا، گوا، امریکہ، افریقہ، قسطنطنیہ، انقرہ، ایشیا وغیرہ)۔ وجہ اِس

کی یہ ہے کہ ایسے سب لفظوں کے تلفّظ میں کسی بھی صورت میں تبدیلی نہیں ہوتی، جیسے: آسٹریلیا میں، کناڈا سے، امریکہ نے۔

اصول یہی ہے کہ جن لفظوں کے آخر میں الف یا ہ ہے؛ جمع کی صورت میں یا محرّف ہونے کی صورت میں اگر اُن کا تلفّظ بدلتا ہے، تب املا میں بھی تبدیلی ہوتی ہے کہ آخری حرف ے سے بدل جاتا ہے، جیسے: مدینے سے، مکّے میں، جدّے کا ٹکٹ، آگرے میں ـــــــ اگر تلفّظ نہیں بدلتا تو املا بھی نہیں بدلتا، جیسے: امریکہ میں، افریقہ سے، آسٹریلیا کو۔

○

جن لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی ہوتی ہے، جیسے: جذبہ، صلہ، قصّہ، پردہ؛ ایک صورت ایسی بھی ہوتی ہے کہ ایسے لفظوں کے آخر میں الف لکھا جاتا ہے؛ مگر یاد رکھیے کہ اِس کا تعلّق صرف شاعری کی ضرورت سے ہے، یہ عام قاعدہ نہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی غزل کے مطلعے میں ایسے لفظ قافیے کے طور پر آتے ہیں جن کے آخر میں الف ہے۔ مثال کے طور پر اِس مطلعے کو دیکھیے:

ہجر کی شب نالۂ دل وہ صدا دینے لگے
سُننے والے رات کٹنے کی دُعا دینے لگے

اِس مطلعے میں "دینے لگے" ردیف ہے اور پہلے مصرعے میں "صدا" اور دوسرے مصرعے میں "دعا" قافیے ہیں۔ اِس غزل میں یہ شعر بھی ہے:

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبّت کا صِلا دینے لگے

اِس شعر میں "صلا" قافیے کے طور پر آیا ہے۔ اصل لفظ "صلہ" ہے؛ مگر اِس غزل میں چوں کہ "صدا" اور "دعا" جیسے قافیے ہیں جن کے آخر میں الف ہے، اِس وجہ سے اِس کو بھی "صلا" لکھا جائے گا، تاکہ پوری غزل کے قافیے ایک جیسے رہیں۔ اگر اِس شعر میں اصل لفظ "صلہ" لکھا جائے

تو کہا جائے گا کہ یہاں قافیہ بگڑ گیا۔

ایک اور مثال۔ مرزا غالب کی مشہور غزل کا مطلع ہے :

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اِس میں "ہوا" اور "دوا" قافیے ہیں، جن کے آخر میں الف ہے۔ اِسی غزل کا یہ مقطع ہے :

جب توقّع ہی اُٹھ گئی غالب!
کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

اِس میں قافیہ "گلا" ہے۔ اصل لفظ "گلہ" ہے (یعنی اِس کے آخر میں ہائے مختفی ہے)؛ لیکن یہ لفظ چوں کہ "دوا" اور "ہوا" کے قافیوں کے ساتھ آیا ہے، اِس لیے اِس مقطعے میں اِسے قافیے کی ضرورت سے "گلا" لکھا جائے گا۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مطلعے کے ایک مصرعے میں قافیے کے طور پر ایسا لفظ آئے جس کے آخر میں الف ہو اور دوسرے مصرعے کے قافیے میں ایسا لفظ آئے جس کے آخر میں مختفی ہ ہو، جیسے یہ مطلع :

گلے میں بخت کے، اُن کا بھی کچھ قصا نکل آیا
ہوئی تھی صلح کس مشکل سے، پھر جھگڑا نکل آیا

پہلے مصرعے میں قافیہ "قصہ" ہے اور دوسرے مصرعے میں "جھگڑا"۔ اِس کو تو "جھگڑہ" لکھ نہیں سکتے، اِس لیے "قصہ" کو "قصا" لکھا جائے گا۔ یعنی ایسے مقامات پر بھی محض قافیے کی ضرورت سے ایسے اشعار میں لفظ کے آخر میں ہ کی جگہ الف لکھا جائے گا۔

○

—— سنہ : عربی میں "سَنَۃٌ" تھا جو قاعدے کے مطابق "سنہ" بن گیا، مگر اِس کا تلفّظ وہی رہا جو "سَن" کا ہوتا ہے۔ اِس لفظ

کے لکھنے میں یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ جب اِس کے ساتھ عدد بھی لکھے جائیں جیسے ۱۹۹۳ء، تب سَن کے بعد نون کا نقطہ نہیں رکھا جائے گا۔ اگر یہ لفظ اعداد کے بغیر آئے، تب نقطہ ضرور رکھا جائے گا، جیسے: اِسی سنہ میں اُنھوں نے دسویں درجے کا امتحان پاس کیا تھا»۔ انشا کا شعر ہے:

لَس پر نشانی آپ کی، سنہ ہجری بھی وہی
اِس سے نہ پھریے، قولِ جواں مرد ہے سُو ہے

جب یہ لفظ اضافت کے ساتھ آئے گا، تب بھی اِس لفظ کا یہی املا رہے گا، ہاں اضافت کا زیر لگا دیا جائے گا، جیسے:

سنۂ ہجری میں یہ تاریخ لکھی ہے میں نے

بعض لوگ سال کے معنی میں «سن» لکھ دیتے ہیں، یہ درست نہیں۔ «سِن» میں سَن کے نیچے زیر ہے اور اِس کے معنی ہیں: عمر۔ «ہم سِن» میں یہی لفظ ہے۔ مثنوی سحرالبیان کا مشہور شعر یاد آیا:

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سِن
مرادوں کی راتیں، جوانی کے دن

اگر کوئی شخص مثلاً «سن ۱۸۵۷ء» لکھے تو کہا جائے گا کہ املا غلط ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء لکھنا چاہیے تھا۔

○

دو چار لفظ ایسے ہیں جن کے آخر میں کچھ لوگ ہائے مختفی خواہ مخواہ شامل کر دیا کرتے ہیں، جیسے: مصرعہ، معہ، موقعہ، بابتہ، موضعہ۔ اِن کو مصرع، مع، موقع، بابت، موضع لکھنا چاہیے۔

○ —— کاشکے: اِس لفظ کے آخر میں ے ہے:

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے اِدھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

اِس کو "کاشکہ" یا "کاش کہ" نہیں لکھنا چاہیے۔

○ ـــــ کیونکے - کیوں کہ : یہ دو الگ الگ لفظ ہیں، اِن کے معنی بھی الگ الگ ہیں۔ اِن کے لکھنے میں اِس فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

"کیوں کر" کی بدلی ہوئی صورت "کیونکے" ہے (جیسے "جاکر" کی ایک صورت "جاکے" ہے اور "لاکر" کی "لاکے" وغیرہ) "کیونکے" کے معنی ہیں: کس طرح۔ مومن کا شعر ہے:

کیونکے اُمیدِ وفا سے ہو تسلّی دل کو
فکر یہ ہے کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا

مرزا غالب کا مصرع ہے:

نہ جانوں کیونکے مٹے داغِ طعنِ بد عہدی

"کیوں کہ" میں "کہ" بیانیہ ہے۔ اِس کے معنی ہیں: اِس لیے کہ، اِس طرح کہ، اِس واسطے کہ۔ جیسے: کل تم نہ آنا، کیوں کہ ہم یہاں نہیں ہوں گے۔

○ ـــــ ذمّہ - ذمّے : "ذمّہ" اصل لفظ ہے، اِسی کی مُحرّف صورت "ذمّے" ہے۔ جیسے: یہ کام تمھارے ذمّے ہے۔ اِسی سے "ذمّے دار" اور "ذمّے داری" بنے ہیں، جیسے: یہ اُن کی ذمّے داری ہے۔ وہ ذمّے دار آدمی ہیں۔ ذمّے دار لوگوں کی راے اِس کے خلاف ہے۔ اِسے "ذمّہ دار" اور "ذمّہ داری" نہیں لکھنا چاہیے۔

○

ایسے لفظ جن کے آخر میں ہاے مختفی ہے اور اُن کی جمع "جات" بڑھاکر بنائی جاتی ہے (جیسے: اسلحہ جات)، ایسے لفظوں میں "جات" کو الگ لکھنا چاہیے، جیسے:

کارخانہ جات، پارچہ جات، اسلحہ جات، صوبہ جات،
حوالہ جات، علاقہ جات، محکمہ جات۔

"بیرون جات" بھی اِسی انداز کی جمع ہے، اِس میں بھی "جات" کو

علاحدہ لکھا جانا چاہیے۔

کچھ لوگ اُن لفظوں کے آخر میں بھی ہائے مختفی بڑھا دیتے ہیں جن کے آخر میں دراصل دوچشمی ہ (ھ) آتی ہے۔ جیسے ایک لفظ ہے "ہاتھ"۔ اِس کے آخر میں ھ ہے؛ اِسے اگر "ہاتھہ" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ لفظ کے آخر میں ایک فالتو ہ بڑھا دی گئی۔
جن لفظوں کے آخر میں ھ آتی ہے، اُن میں زائد ہ کا اضافہ کبھی نہیں کرنا چاہیے۔ اِن لفظوں کو دیکھیے:

ساتھہ، بڑھہ، چڑھہ، کاٹھہ، گانٹھہ، ہاتھہ، دودھہ۔

ان لفظوں کو اِس طرح لکھنا چاہیے تھا:

ساتھ، بڑھ، چڑھ، کاٹھ، گانٹھ، ہاتھ، دودھ۔

اِسی طرح جن لفظوں کے آخر میں ملفوظ ہ آتی ہے، اُن کے آخر میں بھی مختفی ہ کا اضافہ نہیں کرنا چاہیے۔ جیسے ایک لفظ "سیہ" ہے (یہ "سیاہ" کا مخفّف ہے) اِسے اگر "سیہہ" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ یہ املا ٹھیک نہیں، یوں کہ اِس میں ایک ہ فالتو ہے۔
یا جیسے ایک لفظ ہے "یہ"۔ یہ دو حرفی لفظ ہے (ی۔ ہ)؛ اِس کو اگر "یہہ" لکھا جائے تو یہ تین حرفی لفظ بن جائے گا اور کہا جائے گا کہ اِس لفظ کا املا درست نہیں۔

ایسے لفظ جن کے آخر میں مختفی ہ ہو اور فارسی کے قاعدے کے مطابق "ہا" کے اضافے سے اُن کی جمع بنائی جائے، تو ایسے سب لفظوں میں "ہا" کو الگ لکھا جائے گا، اور اصل لفظ کے آخر میں مختفی ہ باقی رہے گی، جیسے: نامہ ہا، جامہ ہا، خامہ ہا، غنچہ ہا۔

جن لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی ہوتی ہے، اور اُن کے آگے "گی" کا لاحقہ بڑھا کر اسمِ مصدر بنالیتے ہیں، جیسے: "شعلہ" سے "شعلگی"، ایسے سب لفظوں میں ہائے مختفی اُس لفظ میں باقی نہیں رہتی، مثلاً: نغمہ، نغمگی۔ افسردہ، افسردگی۔ بندہ، بندگی۔ خواجہ، خواجگی۔ ہمسایہ، ہمسایگی۔ شرمندہ، شرمندگی، آسودہ، آسودگی۔

ایسے لفظوں کے سلسلے میں ایک اور ضروری بات بھی نظر کے سامنے رہنا چاہیے۔ وہ بات یہ ہے کہ "گی" سے پہلے جو حرف ہوتا ہے، اُس پر زبر ہوتا ہے۔ جیسے: "تشنہ" سے (ت شْ نَ گ ی)؛ بندہ، سے "بندگی" (ب نْ دَ گ ی)۔ یہ تو ہوئی اصل بات یا قاعدے کی بات۔ تلفّظ کا حال یہ ہے کہ اُن میں سے کچھ لفظ تو تلفّظ میں اِس طرح آتے ہیں کہ یہ زبر باقی رہتا ہے، جیسے: نغمگی، تشنگی، شعلگی، شکستگی، غم زدگی، زندگی، قطرگی، شگفتگی۔

بعض لفظوں میں "گی" سے پہلے والا حرف اِس طرح تلفّظ میں آتا ہے جیسے وہ ساکن ہو، جیسے: تازگی، فرزانگی، کمینگی، خواجگی، بے چارگی، یک بارگی، خواندگی، کبیدگی۔ کچھ لفظوں میں اِس حرف میں ہلکی سی لہر زیر کی آواز جیسی پیدا ہو جاتی ہے، جیسے: بے مایگی ـــ مگر ایسے لفظ جب شعر میں آتے ہیں، تو اکثر صورتوں میں یہ زبر پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے، جیسے:

شرمندگیِ اہلِ وفا کی کوئی حد ہے

اردو رسمِ خط میں تو تلفّظ کے ایسے نمایاں اور ہلکے اختلافات سامنے نہیں آپاتے، لیکن ایسے کسی لفظ کو جب ہندی یا رومن رسمِ خط میں لکھنا پڑتا ہے، تب یہ سوال اچانک سامنے آجاتا ہے۔ مثلاً مرزا غالب کا یہ مصرع:

بندگی میں بھی وہ آزادہ وخود بیں ہیں کہ ہم

اِس مصرعے کو اگر ہندی یا رومن رسمِ خط میں لکھا جائے تب یہ مسئلہ واضح طور پر سامنے آئے گا کہ دال پر زبر ہے یا وہ ساکن ہے —— قاعدے کے مطابق ایسے سبھی لفظوں میں "گی" سے پہلے والے حرف پر زبر مانا جائے گا اور سکون یا زیر کی ہلکی سی آواز سے دھوکا نہیں کھایا جائے گا۔

لفظ کے آخر میں ہائے مختفی ہو تو اضافت کی صورت میں اُس ہ پر ہمزہ لکھا جائے گا۔ اس ہمزہ کی حیثیت علامتِ اضافت کی ہوگی، جیسے: شعلۂ عشق، مرثیۂ انیس، جلوۂ حقیقت، پردۂ مجاز، مژدۂ بہار۔

ہائے مخلوط (ھ)

ہائے مخلوط کو دوچشمی ھ بھی کہتے ہیں۔ اِس کی آواز اپنے سے پہلے والے حرف کی آواز میں شامل ہو کر نکلتی ہے۔ اردو میں ایسی مخلوط آوازیں یہ ہیں:

بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، رھ، ڑھ،
کھ، گھ، لھ، مھ، نھ، وھ، یھ۔

قاعدہ یہ ہے کہ ہائے مخلوط کو ہمیشہ دوچشمی صورت میں لکھا جائے گا۔ مثلاً ایک لفظ ہے "مجھے"۔ اِسے اگر "مجہے" لکھا جائے، تو کہا جائے گا کہ یہ املا ٹھیک نہیں۔ نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو دیکھیے:

کلہاڑی، کمہار، کلہڑ، ننہا، چودہواں، سولہویں، جہاڑو،
مجہے، مجہکو، انہوں، جنہیں، سیدہا، کہچڑی، پڑہنا، چڑہنا
تجہے، تمہیں، تہا، بہا۔

اِن سب لفظوں کو غلط طور پر لکھا گیا ہے۔ اِن کا صحیح املا یہ ہے:

کلھاڑی، کمھار، کلھڑ، ننھّا، چودھواں، سولھویں، جھاڑو،
مجھے، مجھ کو، تجھے، تمھیں، ننھا، پڑھنا، چڑھنا، انھوں،
جنھیں، سیدھا، کھچڑی، بھی۔

مثال کے طور پر میر کے اِس شعر کو لیجیے۔

سرہانے میر کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

پہلے مصرعے میں املا کی ایک غلطی ہے اور اُس غلطی نے مصرعے کو بھی بے وزن بنا دیا ہے۔ غلطی یہ ہے کہ "سرہانے" لکھا گیا ہے۔ اِسے "سرھانے" لکھنا چاہیے تھا۔

اِس کے ساتھ ہی اِس قاعدے کو بھی یاد رکھیے کہ جن لفظوں میں ملفوظ ہ ہے، اُس ہ کو دوچشمی صورت میں کبھی نہیں لکھا جائے گا۔ مثال کے طور پر اِن لفظوں کو دیکھیے:

ھو، ھے، ھیں، ھمیں، ھوتا ہے، ھند، ھم، ھوا۔

اوپر لکھے گئے سب لفظوں کا املا غلط ہے۔ اِن کو یوں لکھنا چاہیے تھا:

ہو، ہے، ہیں، ہمیں، ہوتا ہے، ہند، ہم، ہوا۔

ذرا اِس شعر پر نظر ڈالیے:

آج اِس نئے گہر کے ہبی مکیں آگئے اور اب
اس گہر کا اجالا ہبی مرے گہر پہ ھنسے گا

جن لفظوں پر خط کھنچا ہوا ہے، اُن سب کا املا غلط ہے۔ اِس شعر کو اِس طرح لکھنا چاہیے تھا:

آج اس نئے گھر کے بھی مکیں آگئے اور اب
اِس گھر کا اُجالا بھی مرے گھر پہ ہنسے گا

بہت سے ایسے لفظ ہیں جن میں کبھی دو ھ لکھی جاتی ہیں اور کبھی ایک۔ جیسے کوئی

،، ڈھونڈھنا،، لکھتا ہے اور کوئی ،، ڈھونڈنا،، ۔ اب اِس اصول کو مان لینا چاہیے کہ جو لفظ دو ٹکڑوں سے مل کر بنے ہیں اور دونوں ٹکڑے الگ الگ لکھے جاتے ہیں، اُن میں دو ھ لکھی جائیں۔ ایسے کچھ لفظ یہ ہیں:

بھن بھن، بھن بھنانا، بھق بھق، بھقر بھقر، بھل بھلانا، بھُل بھُل، بھَل بھَل، بھچ بھچانا، بھڑ بھڑانا، بھس بھس، بھُس بھُسا، پھُسر پھُسر، پھٹ پھٹانا، پھٹ پھٹیا، پھد پھدانا، پھر پھرانا، پھُل جھڑی، چھَل چھَل، تھر تھرانا، تھر تھری، ٹھُک ٹھکانا، تھل تھلانا، تھل تھل، چھم چھم، چھن چھن، پھن پھنانا، تھمی تھمی، ٹھُکم ٹھُکا، ٹھسا ٹھس، ٹھن ٹھنانا، جھر جھرا، جھُر جھُری، جھل جھلانا، جھن جھنانا، جھُن جھُنا، دھک دھک، دھڑا دھڑ، دُھک دُھکی، ڈھل ڈھلانا، کھٹ کھٹانا، کھچا کھچ، کھن کھنانا، بھیڑ بھڑکا، گھُمر گھُمر۔

جن مصدروں میں دو ھ ہوں گی، اُن کے مشتقات (یعنی اُن سے بننے والے فعلوں اور اسموں) میں بھی دو ھ لکھی جائیں گی، مثلاً: تھر تھرانا، تھر تھرا رہا ہے، تھر تھراتا ہے، تھر تھر، تھر تھری (وغیرہ)

جن لفظوں میں اب ایک ھ لکھنا چاہیے، اُن میں سے کچھ لفظ یہ ہیں:

بھابی، بھبّڑ، بھبک، بھبکنا، بھپکا، بھپکی، بھبوت، بھبوکا، بھبکانا، بھنبوڑنا، بھنبیری، بھپارا، بھٹّی، بھیک، بھکاری، بھوبل، بھجنگا، بھجیا، پھپّس، پھپولا، پھپوندی، پھوپا، پھوپی، پھیپڑا، تھوتن، تھتانا، ٹھاٹ، ٹھاٹر، ٹھٹ، ٹھٹکنا، ٹھٹرنا، ٹھٹک، ٹھٹول، ٹھٹیرا، ٹھڈّا، ٹھونٹ، ٹھنٹ، ٹھنڈ، ٹھنڈا، ٹھیٹ، ٹھینٹی، چھچڑا، چھچلا، چھچھورا، چھچھوندر، جھانجن، جھانجھ، جھجّر، جھجک، جھجکنا، جھروکا، جھنجری، جھنجلانا، جھنجلاہٹ، جھنجوڑنا، جھنجی، چھپلنا، چھیچا لیدر، ڈھنڈ، ڈھنڈلا، ڈھنڈلکا، ڈھنڈورا، ڈھونڈنا، ڈھنڈار، کھکّل، کھوکلا،

گُھمک، کھکوڑنا، کھکیڑ، کھنکارنا، کھنکنا، گُھگّو، گھگّی، گھگیانا، گھونگھٹ، گھونگا، منجدھار، گھنگرو، گھنگچی، گھنگرالے، گھنگریا گھینگرا، گھاگرا، گھنگنیاں، گھنگولنا، گھونگر۔

جن مصدروں میں ایک ھ ہے، اُن کے مشتقات میں بھی ایک ھ آئے گی۔

○

ایسے لفظ بھی ہیں جن میں پہلے کبھی ھ لکھی جاتی تھی اور کبھی نہیں لکھی جاتی تھی، جیسے: جیب، جیبھ۔ بھیک، بھیکھ۔ جھوٹ، جھوٹھ۔ تڑپنا، تڑپھنا۔ اب اُن کی ایک صورت کو منتخب کر لیا گیا ہے اور اب ایسے لفظوں کو اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ ایسے کچھ لفظ:

(الف) جیب، ہونٹ، تڑپنا، جھوٹ، جھوٹا، ٹھنڈ، بھیک، بھکاری، جانگیا، جانگ، پودا، کوند، کوندا، گبرو، ہتیلی، ہتیارٗ ہتکڑی، ہتیالینا، ہتا، ہتّی، نہتا، پاڑ، جماہی، باڑ (کانٹوں یا جھاڑی سے احاطہ بندی)۔

(ب) گورکھ دھندا، سُدھ بُدھ، سانٹھ گانٹھ، کرگھا، گُھچ پچ، چُبھنا، ہاتھ، ہتھ پھول، ہتھ چُھٹ، ہتھ پھیری، ہتھ نال، ہتھ گولا، ہاتھی، ہتھنی، پھوہڑ، باڑھ (دریا کی طُغیانی، دھار، جیسے: دریا باڑھ پر ہے۔ تلوار کی باڑھ)۔

○

——— مجھ، تجھ: یہ دونوں لفظ اب عام طور پر ھ کے ساتھ لکھے جاتے ہیں، مگر "مجھ سے" اور "مجھ کو" اِن دونوں لفظوں کو کبھی ھ کے بغیر "مجکو" اور "مجسے" بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ اِسی طرح "تجکو" اور "تجسے"۔ یہ صحیح املا نہیں۔ اِن سب میں ھ ضرور لکھنا چاہیے اور اِنھیں الگ الگ لکھنا چاہیے:

مجھ سے، تجھ سے، مجھ کو، تجھ کو، مجھ پر، تجھ پر، مجھ میں، تجھ میں۔

ہمزہ

ہمزہ حرف بھی ہے اور علامت بھی۔ مثلاً "جلوۂ یار"، میں یہ اضافت کی علامت کے طور پر آیا ہے اور جاؤ، سائل، مسئلہ، بائبل، انشاءاللہ علاءالدین، ثناءاللہ میں یہ حرف کے طور پر آیا ہے۔

عربی کے بہت سے مصدروں اور جمعوں اور کچھ دوسرے لفظوں کے آخر میں اصلاً ہمزہ تھا (جیسے: ابتداء، علماء، شئی)۔ مگر اردو میں یہ ہمزہ چوں کہ تلفظ میں نہیں آتا، اس لیے تلفظ کی طرح وہ کتابت سے خارج ہوگیا۔

اب اُردو میں ایسے لفظ ہمزہ کے بغیر لکھے جاتے ہیں، جیسے:

ابتدا، انتہا، اقتدا، اخفا، املا، انشا، ارتقا، اکتفا، ابتلا، اجرا، ادّعا، اتّقا۔

حکما، اُدبا، شعرا، فضلا، صلحا، امرا، وزرا، اقربا، انبیا، اولیا، فقرا، خلفا، شرفا۔ جزُ، شے۔

اِن کو اِسی طرح ہمزہ کے بغیر لکھنا چاہیے۔

لفظ کے درمیان اگر الف آیا ہے اور اُس پر زبر ہے، تو اُس الف پر ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے۔ جیسے: تأمّل، تأثّر، توأم، مجرأت، متأثّر، متأخّر، متأسّف، تأسّف، تأثّر، تأثّرات، تأمّل، متأہّل ——— اردو میں ہمزہ، الف کا قائم مقام ہے، اِس لیے دونوں حرف ایک ساتھ نہیں آئیں گے، ورنہ ایک حرف (الف یا ہمزہ) زائد ہو جائے گا۔

——— قرائت، قرٔت: "قرائت" اور "قرٔت" دونوں لفظ

استعمال میں آتے ہیں۔ اِن کا املا "قراءت" اور "قرءت" بھی ہے، مگر اچھا یہی ہو گا کہ اِن کو "قرائت" اور "قرئت" لکھا جائے۔ اِسی وزن کا ایک لفظ "دنائت" ہے اور اُسے اِسی طرح لکھا جاتا ہے۔ ایک اور لفظ "برائت" ہے، یہ بھی "براءت" تھا، مگر اب "برائت" لکھتے ہیں۔ اِن سبھی لفظوں کو ایک ہی طرح لکھنا چاہیے، اِس طرح:
دنائت، برائت، قرائت، قرئت۔

○ ——— مرآت: اِس کو کبھی "مرأت" اور کبھی "مراٗۃ" لکھتے ہیں۔ اِس میں الف پر مد ہے، اِس کا خیال رکھنا چاہیے اور اِسے "مرآت" لکھنا چاہیے۔ (عربی میں "مرآۃ" ہے)۔ "مرآت" کے معنی: آئینہ۔

○

ہمزہ اور واو:

جن لفظوں کے آخر میں واو ہو اور اُس سے پہلے کوئی حرفِ علّت ساکن ہو، تو اُس واو پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا، جیسے: ناو، تاو، بھاو۔ اِس سلسلے میں اِس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایسی صورت میں لفظ کے آخر کے واو اور اُس سے پہلے والے حرف، دونوں پر جزم ہوتا ہے؛ اگر واو پر ہمزہ لکھا جائے تو دو ساکن حرفوں کے بیچ میں ایک متحرک حرف بڑھ جائے گا اور اِس طرح لفظ کی صورت ہی بدل جائے گی۔
یہاں اِس قاعدے کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن حرفوں پر جزم ہوتا ہے، وہ دو طرح کے ہوتے ہیں: ساکن۔ موقوف ——— "ساکن" اُس حرف کو کہتے ہیں جس پر جزم ہو اور اُس سے پہلے والا حرف متحرک ہو، جیسے: "دَل"، اِس میں دال متحرک ہے (اُس پر حرکت ہے یعنی زبر ہے) اور لام ساکن ہے (اُس پر جزم ہے)۔ ایک دوسرا لفظ "دال" ہے۔ اِس میں دال متحرک ہے، الف ساکن ہے اور لام موقوف ہے۔ یعنی موقوف

اُس حرف کو کہتے ہیں جس پر جزم ہو اور اُس سے پہلے والے حرف پر بھی جزم ہو" بھاو" میں الف ساکن ہے اور واو موقوف ہے؛ ظاہر ہے کہ دو ایسے حرف جن پر جزم ہے، اُن کے بیچ میں کوئی متحرک حرف نہیں آسکتا، اس لیے اِسے " بھاؤ" نہیں لکھ سکتے۔

اِس کو یوں بھی دیکھیے کہ مثلاً "جانا" مصدر ہے، اس سے فعلِ امر "جاؤ" بنے گا (ج ا ء و)۔ اِس میں جیم متحرک ہے، الف ساکن ہے، ہمزہ متحرک ہے، واو ساکن ہے۔ اِسی طرح لاؤ، کھاؤ، پاؤ، دھوؤ، سوؤ (وغیرہ)۔ اِس کے مقابلے میں "ناو" اور "بھاو" جیسے لفظوں میں واو موقوف ہے اُس سے پہلے بھی ساکن حرف ہے، اِس لیے ایسے لفظوں میں واو سے پہلے ہمزہ نہیں آسکتا۔ ایک لفظ "پاو" ہے (سیر کا چوتھائی حصّہ) اِس میں آخری حرف واو ہے اور اُس سے پہلے الف ہے؛ اگر اِس کو "پاؤ" لکھا جائے، تو وہ تین حرفی لفظ، چار حرفی بن جائے گا اور اب یہ "پانا" مصدر کا فعل ہو گیا؛ یعنی ایک لفظ جو اسم تھا، محض غلط لکھاوٹ کی وجہ سے فعل بن جائے گا۔ ایسے کچھ لفظ، جن میں واو پر ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے:

الاو، اودبلاو، بچاو، بھاوتاو، برتاو، بادگولا، بھاو، بیچ بچاو، پاو، پڑاو، تاو، تلاو، دریاو (جیسے: سائیسی علم دریاو ہے)۔ پچھیاو، پڑاو، پتھراو، چاو، راو، کڑھاو، ناو، لمباو، چوڑاو، گھاو، واو، رہاو، سبھاو، گاو (گائے)، ستھراو۔

بہت سے حاصل مصدر بھی اِسی طرح کے ہیں:

اُلجھاو، اٹکاو، بناو، بہاو، بچاو، بکھراو، بہکاو، پٹاو، تناو، ٹکراو، ٹھہراو، جھکاو، جماو، چڑھاو (اُتار چڑھاو)، چھڑکاو، چناو، چل چلاو، چھنٹاو، دباو، ڈلاو، ڈھلاو، رُکاو، کساو، کٹاو، گٹھاو، گھماو، گھماو پھراو، گھٹاو، (جوڑ گھٹاو)، گھراو، لگاو، لداو، نبھاو۔

بعض مثالیہ جملے : یہ لداو کی چھت ہے۔ اُن کا جھکاو اُس طرف ہے، دریا چڑھاو پر ہے ، سڑک پر خوب چھڑکاو ہوا، اِتنا گھما و پھراو اچھا نہیں ہوتا ، کوٹ میں بھراو اچھا نہیں ڈالا۔ تم نے اُن پر دباو ڈالا تھا، وہ چُناو میں جیتیں گے، لوگوں کا جماو سڑک پر ہے ۔ اُن کا جھکاو تمھاری طرف ہے۔ بناو سنگار کر لیا، شہر میں بہت تناو ہے، ہم نے پُلاو کھایا، انھوں نے بیچ بچاو کر دیا، اُن کو بہت تاو آیا، راو صاحب آئے تھے ،کڑھاو چڑھا ہوا ہے ،پھیلاو چل رہا ہے ، لوگوں نے پتھراو کیا۔

لاکھوں لگاو ، ایک چُرانا نگاہ کا
لاکھوں بناو ، ایک بگڑنا عتاب میں

رُکاو خوب نہیں طبع کی روانی میں
کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

یا جیسے تلوار کی تعریف میں میر انیس کا یہ بے مثال شعر :

اشراف کا بناو، رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے، سپاہی کی جان ہے

یہ خیال رہے کہ ایسے لفظوں میں واو کی آواز آدھی سے بھی کم تلفّظ میں شامل ہو پاتی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ واو سے پہلے جو حرفِ علّت ہوتا ہے، آواز اُس کے کھنچاو میں اِس طرح ڈوب جاتی ہے کہ واو پر دباو کم ہوجاتا ہے۔ اِس طرح اُس کی آواز دب جاتی ہے۔

◯

آؤ، جاؤ ، لاؤ ، کھاؤ ، پاؤ ، دلاؤ، بناؤ ، بہاؤ ،چباؤ ،چڑھاؤ ،ٹھہراؤ، لگاؤ ؛ یہ سب فعل ہیں ،جیسے : تم آؤ، وہاں نہ جاؤ، پانی نہ بہاؤ، مکان بناؤ، دنیا سے دل نہ لگاؤ ۔ ایسے سب فعلوں میں واو پر ہمزہ ضرور لکھا

جائے گا۔

بگاڑو، لڑاکو کی طرح کے جتنے اسمِ فاعل ہیں (اور بعض اسمِ مفعول بھی ہیں) اُن سب کے آخر میں واو معروف ہوتا ہے۔ ایسے جس قدر اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول ہیں، اُن پر بھی ہمزہ ضرور لکھا جائے گا۔ جیسے:

کماؤ پوت، ہاتھی ڈباؤ پانی، ٹکاؤ کپڑا، جڑاؤ زیور، بکاؤ مال، پیاؤ پر بھیڑ لگی ہے، اُٹھاؤ چولھا، جتاؤ زمین، وہ تو بڑا لٹاؤ ہے، وہ بناؤ نہیں، بگاڑو ہیں۔

اصول یہ بنا کہ جس قدر اسم اور حاصل مصدر ہیں، اُن میں واو پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا۔ جس قدر ایسے فعل ہیں یا اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول ہیں، اُن پر ہمزہ ضرور لکھا جائے گا۔ جیسے: "تم تو اپنا رنگ جماؤ"۔ اِس جملے میں "جماؤ" فعل ہے۔ "آج اُس جگہ بڑا جماو ہے"، اِس جملے میں "جماو" حاصل مصدر ہے۔ اِسی طرح مثلاً: "مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ" میں "بچاؤ" فعل ہے اور "اپنا بچاو خود کرو"، اِس میں "بچاو" حاصل مصدر ہے۔ "ناو ڈوب گئی"، میں "ناو" اسم ہے۔

○

نیچے لکھے گئے لفظوں میں بھی آخری حرف واو ہے اور اُس سے پہلے ی (حرفِ علت) ساکن ہے: ایسے لفظوں میں بھی واو پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا:

دیو، (دیونی) مہادیو، (دیوتا)، دیوکی نندن، بلدیو، خدیو، غریو، ریو (مکر)، گیو (ایک ایرانی پہلوان)، جنیو۔

میر انیس کے ایک مرثیے کے اِس بند میں ایسے چار لفظ یک جا ہو گئے ہیں۔ (املا کے ساتھ اِن کے تلفظ کا بھی تعین ہو جاتا ہے):-

نے وہ تہمتنی تھی نہ وہ زور گیو کا	مُنہ پھر گیا تمانچۂ ضیغم سے دیو کا
ظالم شکار ہو گیا کیہاں خدیو کا	کافر وہ تھا، تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا

نکلی کمر سے تیغ عجب کرّوفر کے ساتھ
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

"دیو" کی جمع "دیووں" بنے گی۔ "دیوتا" کی جمع "دیوتاؤں" آئے گی۔ "دیونی" کی جمع "دیونیوں" اور "خدیو" کی جمع "خدیووں" آتی ہے۔

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کا تلفّظ اوپر لکھے ہوئے لفظوں سے ذرا سا مختلف ہے، مگر صورت ایک جیسی ہے۔ یہ سب لفظ بھی ایسے ہیں جن میں واو پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا:

نیو، پیو ("پیا" کی ایک شکل) جیو (جیسے: شیخ جیو) میو، کرفیو، ریویو۔

بیورا، تیورا، نیولا، تیوری، جیوڑا، بیوڑھا، ڈیولا۔ دیونی، دیوتا، بیوتی، ریوتی، کیوڑا، ڈیوڑھا، پیوسی، بیوہار، بیوپار، تیوہار، بیوپاری، دیولالی، نیوتا، چیونگم۔

جمع کی صورت یہ ہوگی:

تیوہار	تیوہاروں	تیوری	تیوریاں، تیوریوں
نیورا	تیوروں	دیو	دیووں
نیولا	نیولوں	دیوتا	دیوتاؤں
نیوتا	نیوتوں	دیونی	دیونیوں
نیو	نیوؤں	بیوپاری	بیوپاریوں
میو	میوؤں	نیوتا	نیوتے
ڈیولا	ڈیولے	بیوڑھا	بیوڑھے

ذرا ان تین لفظوں کو دیکھیے: سِوا، ہَوا، شُوا ـــــــ پہلے لفظ میں

واؤ سے پہلے والے حرف کے نیچے زیر ہے اور دوسرے لفظ میں اُس پر زبر ہے؛ اِن دونوں لفظوں (سِوا، ہَوا) میں واؤ صاف طور پر تلفّظ میں آتا ہے، یوں ایسے لفظوں کے املا میں غلطی بھی نہیں ہوتی۔

تیسرے لفظ میں واؤ سے پہلے جو حرف ہے، اُس پر پیش ہے اور واؤ کے بعد الف ہے۔ اِس طرح کے لفظوں میں واؤ کی آواز صاف صاف نہیں نہیں نکلتی، بل کہ الف اور واؤ کی آوازیں ایک دوسرے میں گھُل مل جاتی ہیں۔ ایسے لفظوں کے لکھنے میں کبھی یہ غلطی ہوجاتی ہے کہ واؤ پر ہمزہ بھی لکھ دیا جاتاہے، یہ ٹھیک نہیں۔ یہاں ہمزہ کا کچھ کام نہیں۔ ایسے کچھ لفظ:

(الف) ــــ سُوا، بُوا، پھُوا، تھُوا، جُوا (جواری)۔ جُوال (جوالامکھی)
ڈُوار، جُوار، پھُوار۔

"تھُوا"، کی جمع "تھُوے"، آئے گی اور "جُوا"، کی محرّف صورت "جُوے"، ہوگی۔ جیسے: جُوے میں ہار گیا۔ ہمزہ اِن میں بھی نہیں آئے گا۔

(ب) ــــ چھُوا، چُوا، ہُوا، مُوا؛ یہ چار فعل ہیں۔ اِن چاروں فعلوں کی اِن شکلوں میں تو واؤ پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا؛ البتّہ اِن سے جب دوسرے صیغے بنیں گے، تب اُن میں ہمزہ ضرور آئے گا، اِس طرح:
ہوا، ہوئے، ہوئی ــــ چھُوا، چھُوئے، چھوئی۔ چُوا، چوئے
چوئی۔ مُوا، موئے، موئی۔

("مُوا"، پُرانا فعل ہے۔ اب اِس کی جگہ "مرا"، کہتے ہیں، مگر بعض صورتوں میں یہ اب بھی استعمال میں آتا ہے۔ جیسے ایک پودا ہے "چھوئی موئی"، جس کی پتّیاں ہاتھ لگتے ہی مرجھا جاتی ہیں، گویا مرجاتی ہیں۔ نیز عورتیں اب بھی اِس لفظ کو بول جاتی ہیں، جیسے: موے نوکر نے سارے گھر کو پریشان کر رکھّا ہے؛ کام چور، نوالہ حاضر ۔ وہ موئی لڑکی تو وہیں جل کے بیٹھ رہی ۔

نیچے جو لفظ لکھے جارہے ہیں، اُن میں بھی واؤ پر ہمزہ نہیں آئے گا:

(الف) سُوَر، کُنْوَر، پرمیشور، رامیشور، راجیشور، کملیشور۔ باولا، باولی، ساتولا، ساتولی، گھناونا، گھناونی، سُناونی، چھاونی، روٹی، باوٹا۔ چھوارا، پچھوارا، کُنْوارا، کوالٹی، کواٹر، گوالا، سُوارت، پوائنٹ، جُوائن، پچُوائن، گاودی، بکاولی، اُتاولا، اُتاولی، اُتاولے، پچھواڑا، امراوتی۔

(ب) بٹوا، بچھوا، بھڑوا، بُدھوا، بھگوا، پُروا، پڑوا، پُتوا، پھڑوا، بتھوا، بندھوا، بچوا، پٹوا، پکھوا، تلوا، تمبکوا، ٹھلوا، ٹلوا، جُھوا، جروا، جَڑوان، چھٹوا، چکوا، چنڈوا، ددوا، گھروا، کھڑوا، سروا، ستوان، لہڑوا، گڑوا، کڑوا، پچھوا، کلوا، مڑوا، منگلوا، کہاروا، مُنوا، کہروا، تلوا، تہوا، بھکوا، نتھوا، نکوا، مردوا، مال پُوا۔
بلوّا، پوّا، جھوّا، چڑوّا، بلوّا، چوّا، کنکوّا، کھوّا، ہوّا، گلوّا، کوّا۔

اِس فہرست میں شامل کچھ لفظوں کی جمع (اور محرّف صورت) کی مشق بھی کرلینا مناسب ہوگا:

بٹوا   بٹوے   بٹووں
بچھوا   بچھوے   بچھووں
بھڑوا   بھڑوے   بھڑووں
پڑوا   پڑوے   پڑووں
پھڑوا   پھڑوے   پھڑووں
تلوا   تلوے   تلووں
چھٹوا   چھٹوے   چھٹووں
پچھوا   پچھوے   پچھووں
کھڑوا   کھڑوے   کھڑووں
کڑوا   کڑوے
تہوا   تہوے   تہووں

کوّا	کوّے	کوّوں
کنکوّا	کنکوّے	کنکوّوں
بلوّا	بلوّے	بلوّوں
چڑوّا	چڑوّے	چڑوّوں
جھوّا	جھوّے	جھوّوں

ایک لفظ ہے "بھوں" (جسے "ابرو" بھی کہتے ہیں) اِس کی جمع "بھویں" اور "بھووں" آئے گی، مثلاً:

بھویں تنتی ہیں، خنجر ہاتھ میں ہے، تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے، جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

ایک مثل ہے: آنکھوں کا بھووں سے گلہ کرنا۔

○

یہاں ایک قاعدے کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ جن لفظوں (یعنی اسموں) کے آخر میں معروف واؤ ہوتا ہے، جیسے: بچھّو، چاقو، پہلو، زانو، ہندو، ابرو؛ جب ایسے لفظوں کی جمع بنے گی، تو جمع کے لیے، واحد لفظ کے آگے "وں" لایا جائے گا، جیسے:

بہو	بہوؤں	پلّو	پلّوؤں
بچھّو	بچھّوؤں	گیسو	گیسوؤں
پہلو	پہلوؤں	سادھو	سادھوؤں
زانو	زانوؤں	ترازو	ترازوؤں
ہندو	ہندوؤں	خالو	خالوؤں
چاقو	چاقوؤں	بھالو	بھالوؤں
ابرو	ابروؤں	بازو	بازوؤں
ڈاکو	ڈاکوؤں	جادو	جادوؤں

جن اسموں کے آخر میں الف ہے اور اس سے پہلے واؤ ہے، جیسے: بٹوا؛

ایسے لفظوں کی جمع اِس طرح بنتی ہے کہ الف کی جگہ "وں" یا "ے" کا اضافہ کیا جاتا ہے، مثلاً:

تلوا	تلوے	تلووں
بٹوا	بٹوے	بٹووں
رپچھوا	رپچھوے	پچھووں
پچھوا	پچھوے	پچھووں
مردوا	مردوے	مردووں
بھڑوا	بھڑوے	بھڑووں
جھوّا	جھوّے	جھوّوں
کوّا	کوّے	کوّوں
کنکوّا	کنکوّے	کنکوّوں
چڑوّا	چڑوّے	چڑوّوں

جس طرح بٹوا، جھوّا اور سُور، گنوّر جیسے لفظوں میں واؤ کی آواز دب کر نکلتی ہے، واضح طور پر اور صاف طور پر واؤ تلفّظ میں نہیں آتا؛ اِسی طرح عربی کے کچھ لفظ ایسے ہیں جن میں واؤ کی آواز بہت ہلکی ہو کر تلفّظ کا ساتھ دیتی ہے۔ جیسے ایک لفظ ہے "موَنّث"، اس میں واؤ پر زبر ہے لیکن اُس کی آواز نمایاں نہیں۔ ایسے لفظوں میں بھی واؤ پر ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے۔ ایسے کچھ لفظ یہ ہیں:

مواخذہ، موافق، موافقت، موانست، موَرّخہ، موازنہ، مواصلت، موَرّخ، موَنّث، موَثّر، موَدّب، موَسّس، موقّر، موکّد، موکّل، موَلّف، موَیّد، موَذّن۔

کچھ ناموں میں کبھی صرف ہمزہ لکھا جاتا ہے، جیسے : عطاء اللہ۔ کبھی ہمزہ کے ساتھ واو بھی لکھا جاتا ہے، جیسے : ذکاؤ اللہ۔ عربی میں کیا صورت ہے، اِس سے قطعِ نظر کر کے، اردو میں ایسے سب ناموں میں صرف ہمزہ لکھنا چاہیے۔ جیسے: ثناء اللہ، ذکاء اللہ، عطاء اللہ، بقاء اللہ، ضیاء الدّین، عطاء الرحمان بہاء الدّین، علاء الدّین، ثناء الحق ۔

مرکّبِ عطفی اور ہمزہ

مرکّبِ عطفی اُس مرکّب کو کہتے ہیں جس میں دو لفظوں کے درمیان واو آتا ہے، جیسے : دل وجاں، زندگی وموت، حیات وکائنات ۔ اِس مرکّب میں کسی بھی صورت میں واو پر ہمزہ نہیں آئے گا۔ جس طرح "دل وجاں" میں واو پر ہمزہ نہیں آئے گا، اُسی طرح "زندگی وموت" میں بھی نہیں آئے گا، اور اِسی طرح "دنیا ودیں" میں بھی واو پر ہمزہ نہیں آئے گا اور اِسی طرح "جلوہ و پردہ" یا "کعبہ وبت خانہ" یا "جستجو وتلاش" جیسے مرکّبات میں بھی ہمزہ نہیں آئے گا۔ ایسی کچھ مثالیں :

(الف) دنیا ودیں، ابتدا وانتہا، املا وانشا، اخفا واظہار، خدا ورسول، تمنّا وحسرت، وفا وجفا، دعا ودوا، جزا وسزا، ہوا وہوس،

(ب) زندگی وموت، آزادی وغلامی، ترقّی وتنزّل، رعنائی وزیبائی، بے مایگی وافلاس، عاجزی وغرور، بندگی وخواجگی، عاشقی و خودداری۔

(ج) مے وجام، نے ونغمہ، مے ومینا، پیاپے وہردم، نائے ونوش۔

(د) گذشتہ وآیندہ، کعبہ وبت خانہ، نامہ وپیام، غنچہ وگل،

جادہ و منزل، نالہ و زاری، جلوہ و پردہ، نالہ و فریاد، سادہ و پُرکار، کرشمہ و ناز، افسانہ و افسوں۔ مدرسہ و خانقاہ، دیدہ شنیدہ، جادہ و منزل، نامہ و پیام۔

(۵) آرزو و تمنّا، گیسو و رُخ، ہندو و مسلمان، خوشبو و بدبو، سبو و جام، اردو و فارسی، نشو و نما، ابرو و مژگاں، جستجو و آرزو، ہلاکو و چنگیز۔

مختصر طور پر اِس اصول کو یاد رکھنا چاہیے کہ مرکّبِ عطفی میں (یعنی جب دو لفظوں کے بیچ میں واؤ آتا ہے) کبھی اور کسی بھی صورت میں عطف کے واؤ سے پہلے ہمزہ نہیں آئے گا۔ مثلاً غالب کا مشہور شعر ہے:

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمھیں ہوسِ نائے و نوش ہے

"ہوسِ نائے و نوش" مرکّبِ عطفی ہے۔ "نائے" اور "نوش" ان دو لفظوں کے درمیان عطف کا واؤ آیا ہے۔ اِسے اگر "نائے ونوش" لکھا جائے، یعنی ے پر ہمزہ لگایا جائے، تو یہ صحیح املا نہیں ہوگا۔ اسی طرح "غنچہ و گل" مرکّبِ عطفی ہے؛ اِسے اگر "غنچۂ و گل" لکھا جائے تو اِسے بھی صحیح نہیں کہا جائے گا۔ یا جیسے "جزا و سزا" مرکّبِ عطفی ہے؛ اِسے اگر "جزاؤ سزا" لکھا جائے تو کہا جائے گا کہ املا درست نہیں۔

ء اور یَ

"کرنا" مصدر ہے، اِس سے ماضیِ مطلق کا فعل "کیا" بنتا ہے۔ جمع کی صورت میں "کیے" آتا ہے، جیسے: انھوں نے کیا کام کیے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ "کیے" میں تین حرف ہیں: ایک کاف اور دو ی (کِ یِ ے)۔

کیا، دیا، پیا، سِیا، جیا، یہ سب فعل ہیں۔ اِن میں یَ سے پہلے جو حرف ہے اُس کے نیچے زیر ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ایسے لفظوں میں جب

یؔ سے پہلے والے حرف کے نیچے زیر ہوتا ہے، تو اُس حرف کے بعد یؔ آتی ہے، ہمزہ نہیں آتا۔ اِسی لیے اِن فعلوں کی کسی بھی صورت میں ہمزہ نہیں آئے گا:

پِیا، پِیے (پ ِی ے)، پِیے گا، پِیو گے، پِییں گے۔
دِیا، دِیے (دِ ی ے)۔
لِیا، لِیے (لِ ی ے)۔
کِیا، کِیے (کِ ی ے)۔
سِیا، سِیے، سِیو، سِیے گا، سِیو گے، سِییں گے۔
جِیا، جِیے، جِیو، جِیے گا، جِیو گے، جِییں گے۔

"لیے" خواہ فعل کے طور پر آئے، جیسے: "ہم نے دو قلم لیے" یا ایک کلمے کے طور پر آئے، جیسے: "میرے لیے"، ہر صورت میں آخر میں دو یؔ آئیں گی (لِ ی ے)۔

اِس قاعدے کو پھر ذہن میں بٹھا لینا چاہیے کہ کسی بھی لفظ میں جب یؔ سے پہلے والے حرف کے نیچے زیر ہوگا، تو وہاں ہمزہ نہیں آئے گا۔ ہمزہ اُس صورت میں آئے گا جب اُس پر زبر ہو، جیسے "گئے"، "لیے" میں یؔ سے پہلے لامؔ ہے اور اُس کے نیچے زیر ہے، اِس لیے لامؔ کے بعد ہمزہ نہیں آسکتا۔ "گئے" میں گافؔ پر زبر ہے، اِس لیے گافؔ کے بعد ہمزہ آیا ہے "دِیے" میں چوں کہ دالؔ کے نیچے زیر ہے، یوں اِس کے بعد یؔ آئے گی اور "نئے" میں نونؔ پر زبر ہے، اِس لیے اُس کے بعد ہمزہ آئے گا۔

ع: مے پیے، قشقہ دیے، کعبے میں ناقوس لیے
ع: جس کے شعلے نے جلا سیکڑوں فانوس دیے
ع: اپنی پلکوں سے سییں عشّاق کے زخمِ جگر

"آپ کھانا کھا لیجیے"، اِس جملے میں معمولی بات کو کیسے سلیقے اور تمیز کے ساتھ کہا گیا ہے۔ ایسے جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا کس قدر مہذب ہے۔ کھا لیجیے، کر دیجیے، سُن لیجیے؛ یہ فعل کی تعظیمی صورتیں ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ایسے تعظیمی فعلوں میں آخر میں دو ی ہوتی ہیں۔ جیسے "رکھنا" مصدر ہے، اِس سے "رکھیے" بنے گا (رکھ ی ے) ایسے فعلوں میں ہمزہ نہیں آئے گا۔ اِسے اگر "رکھئے"، یا "رکھیئے" لکھا جائے تو یہ صحیح املا نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر ایسے کچھ فعل لکھے جاتے ہیں:

دیکھیے، بھیجیے، دیجیے، لیجیے، پڑھیے، لکھیے، چلیے، اُٹھیے بیٹھیے۔ لائیے، کھائیے، جائیے، سنائیے، اُٹھائیے، اُڑائیے، اُبالیے، اُتاریے، نکالیے، پھیریے، پُوچھیے، لیٹیے، لوٹیے، سوئیے، دھوئیے، رُوئیے، کھولیے سونگھیے، سوچیے۔

ع : دن ہنس کے کاٹ دیجیے، ہمّت نہ ہاریے
ع : بگڑے ہوئے کو آہ کہاں تک سنواریے
ع : دروازہ کھُلنے کا نہیں، گھر کو سدھاریے
ع : ناطقہ سر بہ گریباں کہ اِسے کیا کہیے
ع : خامہ انگشت بہ دنداں کہ اِسے کیا لکھیے
ع : پڑھیے درودِ حُسنِ صبیح و ملیح دیکھ
ع : چاہیے اچھّوں کو، جتنا چاہیے
ع : رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو۔ ایک مثل ہے: اپنی ران کھولیے، آپ لاجوں مریے۔

ہاں ایک بات یہ بھی نظر میں رہنا چاہیے کہ لائیے، کھائیے جیسے تعظیمی فعل

یا کھوئیے سوئیے جیسے تعظیمی فعل ؛ ان میں بھی آخر میں دو یٰ ہیں ۔ ان میں ہمزہ جو آیا ہے، وہ پہلی یٰ سے پہلے آیا ہے ۔ اِس کو یوں دیکھیے کہ "سوچیے" میں تیسرا حرف چ ہے اور آخر میں دو یٰ ہیں (س و چ ی ے)، اِسی طرح "سوئیے" میں آخر میں دو یٰ ہیں اور تیسرا حرف ہمزہ ہے (س و ء ی ے) ۔ جس طرح "سوچیے" میں چ آیا ہے، اُسی طرح "سوئیے" میں ہمزہ آیا ہے ۔ یا جس طرح "جانیے" میں ن آیا ہے (جا ن ی ے)، اُسی طرح مثلاً "لائیے" میں ہمزہ آیا ہے (لا ء ی ے)

بس یاد رکھنے کی اصل بات یہ ہے کہ تعظیمی فعلوں کے آخر میں ہمیشہ دو یٰ ہوتی ہیں (لا ء ی ے ۔ سو ء ی ے ۔ سن ی ے، رکھ ی ے، بلا ء ی ے، سنا ء ی ے ۔

افعال میں ہمزہ اُس صورت میں آتا ہے جب فعل کی اصل یعنی فعلِ امر کے آخر میں واو یا الف (ساکن) ہو، جیسے "لانا" مصدر ہے، اِس کا امر "لا" ہے اور جیسے "کھونا" مصدر ہے، اِس کا فعلِ امر "کھو" ہے ؛ اب اِن سے اور اِن جیسے دوسرے لفظوں سے (یعنی فعلِ امر سے) افعال کی جو بعض دوسری شکلیں بنیں گی، اُن میں ہمزہ آتا ہے، جیسے :

لایا	لا	لائے	لاؤ	لائیں
پانا	پا	پائے	پاؤ	پائیں
جانا	جا	جائے	جاؤ	جائیں
اُٹھانا	اٹھا	اٹھائے	اٹھاؤ	اٹھائیں
کھونا	کھو	کھوئے	کھوؤ	کھوئیں
بونا	بو	بوئے	بوؤ	بوئیں
رونا	رو	روئے	روؤ	روئیں

"گئے" کا ذکر اِس سے پہلے آچکا ہے ۔

(الف)

بھاو، راو، دیو، جنیو، نیو جیسے لفظوں میں واو موقوف ہے ("موقوف" وہ حرف ہے جس پر جزم ہو اور اُس سے پہلے جو حرف ہو، اُس پر بھی جزم ہو) یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ ایسے لفظوں میں واو پر ہمزہ نہیں لکھا جاتا۔ اِسی طرح جن لفظوں کے آخر میں ے موقوف ہوتی ہے، جیسے: راے (رے پر زبر، الف ساکن، ے موقوف)، یا جیسے ایک لفظ ہے "گاے"، کہ اِس میں الف ساکن ہے اور اُس کے بعد ی ہے، اُس پر بھی جزم ہے؛ ایسے لفظوں میں بھی ے پر ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے۔

ذرا دیر کے لیے مان لیجیے کہ "گاے"، کو "گائے" لکھا گیا تو بڑی خرابی یہ پیدا ہوئی کہ تین حرفی لفظ ہمزہ کے آجانے سے چار حرفی لفظ بن گیا۔ اس کو اِس طرح بھی دیکھیے کہ "گانا" مصدر ہے، اِس سے فعل بنے گا "گائے"، جیسے: اُس سے کہو کہ وہ گانا گائے"۔ یہاں "گائے"، بالکل ٹھیک ہے کہ یہ فعل ہے اور چار حرفی لفظ ہے (گ۔ ا۔ ء۔ ے) اور "گاے" اسم ہے، جس میں تین حرف ہیں (گ۔ ا۔ ے)۔ "گاے دودھ دیتی ہے"، اور "وہ گانا گائے گا"۔ اگر یوں لکھا جائے کہ "گائے دودھ دیتی ہے"، تو کہا جائے گا کہ "گاے"، کو بگاڑ کر "گائے" لکھا گیا۔ یہ غلط املا ہے۔ "گاے"، اسم ہے اور "گائے"، فعل ہے۔ یہ دو الگ الگ لفظ ہیں۔

ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ جن لفظوں کے آخر میں ے ہے اور اُس سے پہلے الف ہے، ایسے لفظوں میں کسی بھی صورت میں ے پر ہمزہ نہیں آئے گا۔ ایسے ضروری لفظ:

راے، چاے، گاے، سراے، سہاے، سواے، براے، بجاے، آبناے، وائسراے، ہاے، واے، تنگناے۔

اِس کو یوں بھی دیکھیے کہ "وحی"، اور "سعی" جیسے لفظوں میں ی پر جزم ہے اور اس پر ہمزہ نہیں لکھا جاتا، اُسی طرح رائے، گائے وغیرہ میں ے پر جزم ہے یہاں بھی ہمزہ نہیں آئے گا۔ اِس سلسلے میں یہ بات سامنے رکھنے کی ہے کہ ایسے اکثر لفظوں میں ے لفظ کا جز ہوتی ہے، جیسے "رائے"، میں ے کا اضافہ نہیں کیا گیا، بل کہ یہ لفظ کا حصّہ ہے۔ اب اگر اس پر ہمزہ لکھا جاتا ہے۔ تو اُس کا مطلب یہ ہوگا کہ لفظ کو توڑ کر، اُس کا ایک حرف الگ کر دیا گیا اور تب اس میں ایک اور حرف کا اضافہ کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ توڑ پھوڑ کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

چند مثالیں:

آپ کی رائے کیا ہے، رائے بہادر، ہر وقت ہائے ہائے کرتے رہتے ہو، اُن کے بجائے کون آئے گا، گائے کا دودھ، ہر وقت چائے کا وقت، جگدیش سہائے، برائے خدا۔

(ب)

ایسے لفظ جب اضافت کے ساتھ آئیں گے، تب بھی ے پر ہمزہ نہیں آئے گا۔ یہ مان لیا جائے گا کہ ے کے نیچے اضافت کا زیر ہے، یعنی اضافت کی صورت میں ے متحرک ہو جائے گی۔ جس طرح "وحی"، میں اصلاً ی پر جزم ہے اور اضافت کی صورت میں وہ متحرک ہو جاتی ہے، یعنی اس کے نیچے اضافت کا زیر آجاتا ہے، جیسے: وحیِ آسمانی، سعیِ پیہم؛ اِسی طرح "رائے عالی"، لکھیں گے۔ ہاں ایسی صورت میں ے کے نیچے اضافت کا زیر نہیں لگایا جاتا۔ چند مثالیں:

ع کر رہا صیّاد جلدی ہے کہ جائے رحم ہے
ع دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ع بہ قدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
ع ایک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے
ع بجائے غنچہ و گل، ہے ہجومِ خار و خس یاں تک

ع سوائے فضلِ خدا، کوئی آسرا نہ رہا
ع منہ سے کچھ تو کہو برائے خدا

(ج)

ایک لفظ ہے "پائے"، اِس کے کئی معنی ہیں، ایک معنی ہیں: پیر۔ دو لفظ اور ہیں "جائے"، (جگہ) اور "سوائے"۔ اِن لفظوں کی ایک صورت "پا"، "جا" اور "سوا" بھی ہے۔ یہ تینوں لفظ دونوں طرح استعمال میں آتے ہیں: پا، پائے۔ جا، جائے۔ سوا، سوائے۔ جیسے: پابند اور پائے بند۔ سوا تیرے اور سوائے تیرے۔ اِن لفظوں کو خواہ مفرد حالت میں مع ے لایا جائے، یا اضافت کی غرض سے ے کے ساتھ لکھا جائے؛ ہر صورت میں صرف ے لکھی جائے گی، اُس پر ہمزہ نہیں آئے گا۔ جیسے:

پامال، پائے مال۔ پابند، پائے بند۔ پابوس، پائے بوس۔
پائے دان، پائے تخت، پایدار، پایداری۔ جاداد، جایداد،
جائے گاہ، جائے ادب، جانشین، جائے نشین۔ پازیب،
پائے زیب۔ پاجامہ، پایجامہ۔

ہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ "پائے تخت"، صحیح لفظ ہے، اِس کو "پایۂ تخت"، نہیں لکھنا چاہیے۔

○

مے، نے، شے، جے، ہے ہے، پے، پیاپے، طے، قے، پے درپے، کے، اچے، ایسے؛ اِن سب لفظوں میں ے ساکن ہے۔ یہ لفظ مفرد صورت میں آئیں یا اضافت کی صورت میں، ہمزہ کسی بھی صورت میں نہیں آئے گا جیسے: مے صاف، شےِ لطیف، درپےِ آزار۔ ہاں ایسے لفظوں میں ے کے نیچے اضافت کا زیر ضرور لگایا جائے گا، جیسے:

ع: پےِ عذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا

جن لفظوں کے آخر میں الف ہوتا ہے، اضافت کی صورت میں اُن کے آگے ے کا اضافہ کیا جاتا ہے، جیسے: ابتداے عشق، انتہاے شوق۔ اِس ے پر بھی ہمزہ نہیں آئے گا۔ جیسے: دنیاے رنگ و بو، مدّعاے دل، انشاے بے نظیر، ہماے سعادت، سزاے قید، تقاضاے شوق، علماے کرام، دواے دردِ دل، خداے بزرگ و برتر، شہداے کربلا، مدّعاے دل، شرفاے قوم، راے عالی، جاے رحم، سراے فانی۔

ع: تماشاے اہلِ کرم دیکھتے ہیں
ع: جفاے آسماں کا شکوہ کیسا
ع: وہ جو بیچتے تھے دواے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے
ع: ابتداے شوق میں یہ حال ہے

جن لفظوں کے آخر میں واو ہوتا ہے، اُن میں بھی اضافت کی صورت میں واو کے بعد ے کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے بوے گل، سوے میخانہ، کوے ملامت۔ ہمزہ یہاں بھی نہیں آئے گا۔

ع پھر وہ سوے چمن آتا ہے، خدا خیر کرے
ع آج ہر جھونکے سے خوش بوے وفا آتی ہے
ع دل پھر طوافِ کوے ملامت کو جائے ہے
ع بوے گل، رنگِ چمن اور یہ عمرِ گذراں

(الف)
لفظ کے آخر میں اگر ی ہو، تو اضافت کی صورت میں اُس ی کے نیچے اضافت

کا زیر آجائے گا، اُس پر ہمزہ کبھی نہیں لکھا جائے گا، جیسے: بندگیِ خدا، زندگیِ بے وفا، مرضیِ مولا، خوبیِ قسمت، گرمیِ قیامت، دوریِ وطن، دہلیِ مرحوم، کرسیِ صدارت، تازگیِ خیال، آزادیِ وطن، والیِ ملک، فدویِ خاص، خرابیِ اخلاق، درستیِ املا۔

(ب) ایسے بہت سے لفظ ہیں جن کے آخر میں "ئی" بڑھا کر اسمِ فاعل (وغیرہ) بنا لیتے ہیں، جیسے: "رعنا" سے رعنائی ——— اضافت کی صورت میں ایسے لفظوں میں بھی ی کے نیچے اضافت کا زیر لگایا جائے گا، جیسے:

رعنائیِ خیال، بے وفائیِ دنیا، کج ادائیِ محبوب، خدائیِ دولت، جدائیِ عزیزاں۔

(ج) کبھی کبھی شاعری کی ضرورت سے لفظ کے آخر کی ی مشدّد ہو جاتی ہے، جیسے یہ مصرع: سردیِّ حنا پہنچے ہے عاشق کے جگر تک۔ اس ی کے نیچے بھی اضافت کا زیر آئے گا، ہمزہ کا یہاں کچھ کام نہیں۔ یعنی "سردیِّ حنا" کو اگر "سردئی حنا" لکھا جائے، تو اِسے غلط کہا جائے گا۔

ع زندگیِّ بے وفا! تجھ سے محبت کیا کریں

ع آشنائیِّ غیر سے کیا کام

ع سُرخیِّ رنگِ رُخ سے چمک اور بڑھ گئی

(د) وحی، سعی، نفی، نہی: اِن لفظوں میں ی موقوف ہے؛ اضافت (اور عطف) کی صورت میں اِس ی کے نیچے بھی زیر لگایا جائے گا۔ ہمزہ یہاں بھی نہیں آئے گا، جیسے: وحیِ آسمانی، نفیِ غیر، (نفی و اثبات)۔

ع سعیِ لاحاصل مداوائے مریضِ عشق ہے

ع نہیِ مے خواری کرے جس دم وہ محبوبِ خدا

اضافت اور ہمزہ

یہ دیکھا گیا ہے کہ املا کی بہت سی غلطیاں ی یا ے پر ہمزہ لکھنے کے سلسلے

میں ہوتی ہیں۔ اِس بات کو اچھّی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اضافت کی علامت کے طور پر ہمزہ صرف ایک صورت میں آتا ہے۔ اُس صورت میں جب لفظ کے آخر میں ہائے مختفی ہو، جیسے: کشتۂ غم، درجۂ پنجم، مرتبۂ بلند، جلوۂ یار۔ اِس ایک صورت کے سوا اور کسی جگہ اضافت کے لیے ہمزہ نہیں لکھا جائے گا۔

ہمزہ کے سلسلے میں اضافت کے جن قاعدوں لکھا گیا ہے، اُن کو یہاں خلاصے کے طور پر پھر لکھا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ قاعدے یک جا طور پر نظروں کے سامنے آجائیں اور اچھّی طرح ذہن میں بیٹھ جائیں۔

۱ ـــــ جب کسی لفظ کے آخر میں یائے معروف (ی) ہوگی، تو اُس یٰ کے نیچے اضافت کا زیر لگایا جائے گا، اُس پر ہمزہ نہیں آئے گا، جیسے: زندگیِ ناپایدار، بندگیِ خدا، سرخیِ حنا، رعنائیِ خیال، بے وفائیِ اہلِ دنیا۔

۲ ـــــ جب یہ یٰ مشدّد ہوگی، تو اُس پر تشدید لکھی جائے گی، اور اُس کے نیچے اضافت کا زیر لگایا جائے گا، جیسے یہ مصرع:

سرخیِّ حنا پہنچے ہے عاشق کے جگر تک

۳ ـــــ جن لفظوں کے آخر میں ـے ہوتی ہے اور وہ اُس لفظ میں شامل ہوتی ہے، یعنی اُس لفظ کا جزو ہوتی ہے، جیسے: رائے، چائے، ہائے، اِس ـے پر ہمزہ کسی بھی صورت میں نہیں لکھا جائے گا۔ خواہ ایسے لفظ اضافت کے بغیر آئیں، جیسے: آپ کی رائے کیا ہے۔ ہم چائے پییں گے۔ تم ہر وقت ہائے ہائے کرتے رہتے ہو ـــــ خواہ یہ لفظ اضافت کے ساتھ آئیں، جیسے: رائے عالی، سرائے کہنہ، سوائے خدا، بجائے غنچہ و گل، پائے تخت ـــ

۴ ـــــ جن لفظوں کے آخر میں ـے ہو اور ـے سے پہلے والے حرف پر زبر ہو، تو اضافت کی صورت میں اُس ـے کے نیچے اضافت کا زیر لگایا جائے گا جیسے: مےِ صاف، شےِ دیگر۔

۵ ـــــ جن لفظوں کے آخر میں الف یا معروف واو ہوتا ہے (جیسے:

دعا، گفتگو) اضافت کے لیے اُن کے آگے "ے" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
یہ "ے" اضافت کی علامت کے طور پر آتی ہے، اِس لیے اِس کے نیچے زیر
نہیں لگایا جائے گا۔ اِس پر ہمزہ بھی نہیں لگایا جائے گا، جیسے: ابتداے عشق،
انتہاے شوق، دعاے ترقی، مبتلاے غم، جفاے آسماں، وفاے وعدہ۔
جادوے بنگال، زانوے دوست، پہلوے غیر، بازوے طاقت، معمّاے
حیات، تمغاے شرافت، سقّاے اہلِ بیت، سلماے حیات۔

۶ ـــــ جن لفظوں کے آخر میں واو ہو، اور اُس سے پہلے جو حرف ہو
اُس پر زبر یا زیر ہو، یا وہ ساکن ہو؛ اضافت کے لیے اُسی واو کے نیچے
اضافت کا زیر لگایا جائے گا، جیسے: سروِ باغ، جزوِ بدن، دیوِ سفید، گاوِ زمین۔

۷ ـــــ جب لفظ کے آخر میں ہاے مختفی ہوگی، تو اضافت کے لیے
اُس "ہ" پر ہمزہ لکھا جائے گا، جیسے: مدینۂ منوّرہ، کعبۂ مقصود، درجۂ چہارم
رتبۂ بلند۔

"مبدء" اور "سوء"، یہ دونوں لفظ عربی کے ہیں۔ ہمزہ اِن لفظوں میں شامل
ہے، یعنی لفظ کا جُز ہے۔ اِن لفظوں کو مع ہمزہ (مبدء، سوء) لکھا جائے گا
اضافت کے لیے ہمزہ کے نیچے زیر لگا دیا جائے گا، جیسے: مبدءِ فیاض، مبدءِ
فیض، مبدءِ اوّل۔ سوءِ ہضم، سوءِ ادب، سوءِ اتفاق، سوءِ ظن۔

ایسے لفظ جن کے آخر میں "یا" ہوتا ہے، جیسے: کبابیا، کباڑیا، بہروپیا؛
یا جیسے: دیا، ڈوریا؛ جب اِن کی جمع بنائی جاتی ہے تو اُس صورت میں آخر
کے الف کی جگہ "ے" آجاتی ہے، جیسے: کباڑیا، کباڑیے۔ کبابیا، کبابیے۔
دیا، دیے۔
محرّف صورت میں بھی یہی ہوتا ہے، جیسے: دیے کی بتّی، ڈوریے کی قمیص،
کبابیے کی دُکان، کباڑیے کا گھر۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ایسے لفظوں میں جمع کی صورت میں اور محرّف ہونے کی صورت میں دو یٰ آخر میں یک جا ہو جاتی ہیں۔ پہلی یٰ تو اصل لفظ کا جزء ہوتی ہے اور دوسری ے کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے: بھیڑیا (بھ ے ڑِ ی ا۔ بھ ے ڑِ یِ ے)۔ ظاہر ہے کہ یہاں ہمزہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح جب جمع بنانے کے لیے "ون" کا اضافہ کیا جائے گا، ہمزہ وہاں بھی نہیں آئے گا۔ مثال کے طور پر ایسے کچھ لفظوں کی جمع کی شکلیں (اور محرّف صورتیں) لکھی جاتی ہیں:

(الف)	بنیا	بنیے (ب ن یِ ے)	بنیوں
	بہروپیا	بہروپیے	بہروپیوں
	دِیا (چراغ)	دیے (دِ یِ ے)	دیوں
	ڈاکیا	ڈاکیے	ڈاکیوں
	پہیا	پہیے	پہیوں
	تولیا	تولیے	تولیوں
	لہریا	لہریے	لہریوں
	کباڑیا	کباڑیے	کباڑیوں
	ہنسیا	ہنسیے	ہنسیوں
	بھیڑیا	بھیڑیے	بھیڑیوں

(ب)

جن لفظوں کے آخر میں "یہ" (یٰ۔ ہائے مختفی) ہوتا ہے، اُن کی بھی جمع اسی طرح بنتی ہے:

مرثیہ	مرثیے (مرثِ یِ ے)	مرثیوں
تعزیہ	تعزیے	تعزیوں
نظریہ	نظریے	نظریوں
اشاریہ	اشاریے	اشاریوں
قافیہ	قافیے	قافیوں

بخیہ	بخیے	بخیوں
حلیہ	حُلیے	حلیوں
انشائیہ	انشائیے (ان ش اءِ ی ے)	انشائیوں
اداریہ	اداریے	اداریوں
کرایہ	کرایے	کرایوں
چوپایہ	چوپایے	چوپایوں

(ج)

ہم سایہ	ہم سایے	ہم سایوں
سایہ	سایے	سایوں
پیرایہ	پیرایے	پیرایوں
پایہ	پایے	پایوں

(د)

ہم سایہ	ہم سایگی	(اسم مصدر)
ہم پایہ	ہم پایگی	″
بے مایہ	بے مایگی	″
سرمایہ	سرمایے	

کچھ جمعیں الگ الگ طریقوں سے بنتی ہیں اور بعض کو دو طرح لکھا جاتا ہے:

(ح)

گاے	گائیں	گایوں
راے	رائیں	رایوں
وائسراے	وائسراؤں	—
سراے	سرائیں	سراؤں
بدخو	بدخوؤں	بدخویوں
خوش رو	خوش روؤں	خوش رویوں
شمع رو	شمع روؤں	شمع رویوں
آبلہ پا	آبلہ پاؤں	آبلہ پایوں

اِس طرح کے معمولی اختلافات ہر زبان میں ہوتے ہیں، اِن سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

○

حمایت، ولایت، عنایت جیسے لفظ، جن کے آخر میں "یت" ہے؛ جب اسمِ فاعل یا اسمِ منسوب بنانے کے لیے اُن کے آگے ی کا اضافہ کیا جائے گا تو وہ پہلی یَ اپنی جگہ برقرار رہے گی: حمایتی، ولایتی، عنایتی۔

○

"تعیین" اور "تبیین"، یہ عربی کے دو مصدر ہیں۔ (عربی میں ایک باب ہے "تفعیل"، یہ اُسی باب سے تعلّق رکھتے ہیں)۔ اِن میں نونؔ سے پہلے دو یَ ہیں (ت ع ی ی ن)۔ یہ اِسی طرح لکھے جاتے ہیں، اور اِن کو اِسی طرح لکھنا چاہیے۔
اِسی باب سے ایسے پانچ مصدر اور آتے ہیں جو اردو میں استعمال میں آتے رہتے ہیں۔ یہ ہیں: تخئیل، تزئین، تغئیر، تذئیل، تمئیز۔ یہ پانچوں لفظ اُردو میں اِسی طرح لکھے جاتے ہیں، یعنی اِن میں یَ سے پہلے ہمزہ ہے؛ اِن کو اِسی طرح لکھنا چاہیے۔

○

اڑیل، سڑیل، دڑھیل، مریل؛ اِن سب لفظوں میں "یل" کا لاحقہ آیا ہے۔ یَ پر زبر ہے۔ اِن لفظوں کو اِسی طرح لکھنا چاہیے ——— "ناریل" بھی اِسی انداز کا لفظ ہے۔
گھائل، گھایَل ۔ پایَل، پائل ———: یہ دونوں لفظ دونوں طرح لکھے اور بولے جاتے ہیں۔ جب اِن کو "گھایَل" اور "پایَل" کہا جائے گا اور مثلاً اِن کو "بادل" اور "مخمل" کے قافیے میں لایا جائے گا، تو یَ لکھی

جائے گی۔ یَ پر زبر ہوگا۔

جب اِن کو "دِل" اور "بسمل" کے قافیے میں لایا جائے گا تو یَ کی جگہ ہمزہ لکھیں گے اور ہمزہ کے نیچے زیر آئے گا: گھائِل، پائِل۔

اِس انداز کے کچھ اور لفظ بھی ہیں، جیسے: نایک، سہایک (وغیرہ)۔ ایسے سبھی لفظوں کا احوال ایک جیسا ہے۔ البتّہ اردو میں اکثر اور بیش تر "گھائِل پائِل، نائِک، سہائِک" سننے میں آتے ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ آخری حرف سے پہلے والے حرف پر اگر زبر ہے، تب تو وہاں یَ لکھی جائے گی (پایَل)۔ اگر زیر ہے، تو ہمزہ لکھیں گے (پائِل)۔

○

ہمایوں، بدایوں (بدایونی)، کمایوں: اِن سب میں واؤ سے پہلے یَ ہے۔

○

ایک لفظ ہے "جونیر"، اِس میں یَ پر زبر ہے اور اُس سے پہلے جو حرف ہے، اُس کے نیچے زیر ہے۔ اس وزن اور اِس انداز کے بہت سے جو دوسرے لفظ ہیں، اُن سب میں یَ ہے۔ یَ کی جگہ ہمزہ نہیں آئے گا ایسے کچھ لفظ:

جونیر، سینیر، انجینیر، پاینیر، کیشیر، برگیڈیر، ریَر، ہیرڈریسر، ایریر، سوو ینیر، کیریر۔

ایرانین، ایشین، آریَن، کمیڈین، لائبریرین، انڈین، چمپین، سویلین، پویلین، کسٹوڈین، وکٹورین، السیشین۔ سیریل، امپیریل۔

○

آرایش، پیمایش، نمایش: یہ سب فارسی کے حاصل مصدر ہیں۔ فارسی میں حاصل مصدر بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ فعلِ امر کے آگے شؔ بڑھا کر حاصل

مصدر بنا لیا جاتا ہے۔ مثلاً "آراستن" مصدر ہے اُس کا مضارع ہے "آراید" اُس کا امر ہے "آرائے"، اُس سے حاصل مصدر "آرایش"، بنا، مطلب یہ ہے کہ ایسے لفظوں میں "ی" جزوِ لفظ ہوتی ہے، اِس لیے اُس کو بدلنا نہیں چاہیے۔ ایسے لفظوں یا حاصل مصدروں میں "ش" سے پہلے "ی" لکھی جائے گی مثلاً:

نمایش، آرایش، فرمایش، کشایش، بخشایش، پیمایش، ستایش، گنجایش، آسایش، آزمایش، افزایش۔

اِسی طرح آرایشی، نمایشی، ستایشی، آزمایشی، ستایش گر۔ شایستہ شایستگی، شاید، نمایندہ، نمایندگی، نمایاں، بایست، پایندگی، آیندہ پایندہ، پایدار، پایداری، باید و شاید، جایداد، فہمایش، رہایش، زیبایش، گرمایش۔

○

(الف)

عربی کے بہت سے اسمِ فاعل ایسے ہیں جو اردو میں مستعمل ہیں، جیسے: قائل، مائل، سائل۔ ایسے سبھی لفظوں میں آخری حرف سے پہلے ہمزہ ہوتا ہے جیسے:

قائل، سائل، مائل، قائم، دائم، صائم، متشائم۔ لائق، فائق، تائب، نائب، صائب، غائب۔ دائر، سائر، زائر، طائر۔ ضائع، شائع، فائز، جائز، عائد، زائد۔

(ب)

بہت سے اسم جمع ہیں، جن میں ہمزہ آتا ہے، جیسے:

دلائل، دوائر، ذرائع، جرائم، مسائل، شمائل، شدائد، رسائل، وسائل، قبائل، عجائب، غرائب، نظائر، جزائر، صنائع، بدائع، شرائط، نتائج، جرائد، فوائد، عقائد، عمائد، قصائد، نقائص،

نقائص، فرائض، خزائن، قبائح، لوائح، قرائن، دفائن، ملائک، عزائم، فضائل، کوائف، وظائف، حقائق، شقائق، وقائع، علائم۔

(ج)
کچھ متفرق لفظ، جیسے: کائنات، مطمئن، آئینہ، آئنہ، تائید، جائفل، کائیاں، بائیں، دائیں، بکائن، اجوائن، ادوائن، گسائیں۔ ذائقہ، طائفہ، دائرہ، زائچہ، معائنہ، جائزہ، قائمہ۔ پائیں، پائنتی، رائتا، چرائتا، جائنا، وائنا، رسائن۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ اوپر کی سبھی مثالوں میں جہاں جہاں الف کے بعد ہمزہ آیا ہے، وہاں اُس کے نیچے زیر ہے؛ یہی پہچان ہے اِس کی کہ یہاں ہمزہ لکھا جانا چاہیے۔ مثلاً ایک لفظ ہے "گاہک"، اِسے دو طرح بولا جاتا ہے۔ جب کاف سے پہلے زبر آئے گا تو اِسے "گاہک" لکھا جائے گا (ی کے ساتھ) اور جب وہاں زیر آئے گا تو اِسے "گائک" لکھا جائے گا (ہمزہ کے ساتھ)۔

(د) اِس انداز کے انگریزی سے آئے ہوئے لفظوں میں بھی الف کے بعد ہمزہ لکھا جاتا ہے اور ہر جگہ ہمزہ کے نیچے زیر ہوتا ہے۔ ایسے کچھ لفظ:
آئل، سائکل، رائفل، بائبل، لائٹ، پائپ، نائلون، سائز، فنائل، کرائم، مائکل، پرائوٹ، ڈائرکٹر، ڈائرکٹری، ڈائرکٹ، ڈائرکشن، امپائر، سائنس، مائنس، نائٹروجن، مزائل، بائکاٹ، سائن بورڈ، وائن، ڈائنامیٹ، سائکالوجی، سائڈر، موبائل، سائکالوجی، سائلنسر، پائن ایپل، ہائڈروجن، ڈرائن، ٹائل، پائلٹ، جوز فائن، ڈائنا۔

ایک لفظ ہے "چمپئی"، اِسے فاعلن کے وزن پر بھی بولتے ہیں اور فعلن کے وزن پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ ایک دوسرا لفظ ہے "بڑھئی"، اِسے فَعَل کے وزن پر بولتے ہیں، یعنی ہمزہ کی آواز پوری طرح الگ سے نہیں نکلتی، پہلے والے حرف کی آواز میں گھل مل کر نکلتی ہے۔ ایسے سب لفظوں میں آخری حرف یَ سے پہلے ہمزہ لکھا جاتا ہے اور اسی طرح لکھنا چاہیے؛ خواہ ہمزہ صاف صاف پورے حرف کی طرح تلفظ میں آئے، یا اُس کی آواز مخلوط ہو کر نکلے۔ ایسے کچھ لفظ یہ ہیں:

چمپئی، فالسئی، اگرئی، سرمئی، باجپئی ——— مرزئی،
بھٹئی، بڑھئی، بھل منسئی، گپئی، بھئی ("بھائی" کی ایک شکل)
گھمئی، جبئی، ترئی، چکئی، زئی، ارئی، غِل زئی، چکنئی،
رکسنئی، مکئی، مئی، ڈھئی، لچئی، مغلئی۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ اِن سب لفظوں میں آخر کی یَ سے پہلے ہمزہ کے لیے شوشہ ضرور بنایا جائے گا، یَ پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا۔ یعنی "مئ" نہیں، "مئی" لکھا جائے گا؛ اِسی طرح دوسرے لفظ۔

انگریزی کے ایسے بہت سے لفظ اردو میں مستعمل ہیں جن کو لکھتے وقت یہ الجھن پیدا ہو سکتی ہے کہ فلاں حرف کے بعد یَ لکھنا چاہیے، یا اُس کے نیچے زیر مان لینا کافی ہوگا۔ جیسے کچھ لوگ "اِڈیٹر" لکھتے ہیں اور کچھ لوگ "ایڈیٹر"؛ مگر اِس بات کو سب مانتے ہیں کہ ڈال کے بعد یَ ہے۔ اِس سے یہ اصول ہاتھ آیا کہ ایسے لفظوں میں جب زیر پر دباو زیادہ ہو، تو اُس کے بعد یَ لکھنا چاہیے۔ اگر دباو ہلکا ہو، تو اُس صورت میں یَ لکھنے کی ضرورت نہیں، اُس کے نیچے زیر مان لینا کافی ہوگا۔ ایسے کچھ لفظ جن

میں ی لکھنے کی ضرورت نہیں، یہ ہیں:

اِڈیٹر، اڈیشن، اِڈیشنل، امپائر، اگزامز، اڈلیس، پبلشر، پرائوٹ، کلاسکی، کیرکٹر، ڈائرکٹر، ڈزائن، ڈرائنگ، سیمنار،

اِس سلسلے کی بہت اچھی مثال لفظِ "سیمینار" ہے۔ اِس میں سَ کے بعد یٓ لکھنے کی مطلق ضرورت نہیں، اِس لیے کہ اُس کے نیچے زیر کا ہونا کافی ہے۔ سَ کی آواز ہلکی ہوکر نکلتی ہے۔ البتہ میم کے بعد ی لکھنا ضروری ہے، یوں کہ میم کی آواز گہری ہوکر نکلتی ہے (سِ م ی ن ا ر)۔ اِس کے برخلاف نیچے لکھے ہوئے لفظ ی کے اضافے کے ساتھ سُننے میں آتے ہیں:

پریسیڈنٹ، پالیسی، یونی ورسٹی، پروفیسر، ایڈوکیٹ۔

اوپر جس اصول کو بیان کیا گیا ہے، اُس کی روشنی میں ایسے لفظوں کے املا کے متعلّق آسانی کے ساتھ فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

○

برقع، مجمع، مصرع، مطلع، مطبع، مقطع، موقع، مقنع، موضع؛ اِن نو لفظوں میں جمع کی حالت میں، نیز مُحرّف صورت میں، کچھ لوگ آخر کی ع کے بعد ے کا اضافہ کرتے ہیں (جیسے: دو برقعے، برقعے میں) اور کچھ لوگ ے کا اضافہ نہیں کرتے، ع کے نیچے زیر لگانا (یا یوں کہیے کہ ع کو زیر کے ساتھ پڑھنا) کافی سمجھتے ہیں (جیسے: دو برقع، برقع میں)۔

اِس پر سب کا اتّفاق ہے کہ جب "وں" کے ساتھ اِن کی جمع بنے گی تب ع کے بعد "وں" کا اضافہ کیا جائے گا، جیسے: برقعوں ــــ "برقعے" لکھا جائے یا "برقعوں" لکھا جائے، دونوں صورتوں میں ع تلفّظ میں نہیں آتا۔ ع کے تلفّظ میں شامل نہ ہونے کے باوجود اگر "برقعوں" درست ہے تو اِس کے قیاس پر "برقعے" بھی درست ٹھہرے گا۔

ایک فائدہ اور بھی ہے کہ اِس طرح واحد اور جمع کی صورتوں میں بہ آسانی امتیاز کیا جا سکتا ہے، جیسے: ایک بُرقَع، اور دو برقعے۔ اِسی طرح

"برقع رکھا تھا،، اور" برقعے میں چہرہ چھپا ہوا تھا" اُردو میں جمع بناتے کا جو عام قاعدہ ہے، اِسی طرح اُس سے بھی مطابقت حاصل رہے گی۔ اِن سب لفظوں کو جمع کی صورت میں اور محرّف صورت میں ے کے اضافے کے ساتھ لکھنا چاہیے، جیسے: برقعے ہیں، دو مطلعے، مطبعے کا نام، موضعے کا نام، موقعے سے، مطلعے ہیں، چار مصرعے، مصرعے ہیں۔

گنتیاں

۱۔ گیارہ سے اٹھّارہ تک جو گنتیاں ہیں اُن کے آخر میں ہائے ملفوظ ہے (وہ ہ جو تلفّظ میں آتی ہے)۔ صرف ایک عدد "سولہ،، کے آخر میں اُسے ملا کر لکھا جاتا ہے، وہاں اُس ہ کے نیچے شوشہ (جو ملفوظ ہ کی پہچان ہوتا ہے) لگانا ضروری ہے:

گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، پندرہ، سولہ، ستّرہ، اٹھّارہ۔

۲۔ جب اِن سے اعدادِ ترتیبی بنائے جائیں گے، تب ہائے ملفوظ، دوچشمی ھ (ھ) سے بدل جائے گی، اِس طرح:

گیارھواں، گیارھویں، گیارھویں۔ بارھواں، بارھویں، بارھویں۔
تیرھواں، تیرھویں، تیرھویں۔ چودھواں، چودھویں، چودھویں۔
پندرھواں، پندرھویں، پندرھویں، سولھواں، سولھویں، سولھویں۔
سترھواں، سترھویں، سترھویں۔

اِس میں صرف ایک عدد "اٹھّارہ،، استثنا ہے۔ اِسے "اٹھّارواں، اٹھّارویں، اٹھّارویں،، لکھا جاتا ہے اور اِسی طرح لکھا جائے گا ——
دوسری بات یہ ہے کہ "ستّرہ،، میں ت پر تشدید ہے، مگر "سترھواں، سترھویں، سترھویں،، میں یہ تشدید نہیں آتی۔ اِن تینوں کو تشدید کے بغیر ہی لکھا جائے گا۔

۳۔ اعدادِ استغراقی جب اِن سے بنیں گے تو اُن کو بھی ھ کے ساتھ

لکھا جائے گا:

گیارھوں، بارھوں، تیرھوں، چودھوں، پندرھوں، سولھوں، سترھوں، اٹھّاروں۔

اِن اعداد میں "سترھوں" میں ت پر تشدید لکھی جائے گی اور "اٹھّاروں" کو ہ کے بغیر لکھا جائے گا۔

○

۱۹ سے ۴۰ تک جو اعداد ہیں، اُن سب میں آخری حرف س سے پہلے ی ہے۔ تلفّظ میں یہ عدد کسی بھی طرح آئیں، ی ضرور لکھی جائے گی، جیسے:
اکیس، بائیس۔ اکتّیس، بتّیس، اکتالیس، بیالیس (وغیرہ)۔

۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷، ۴۵، ۴۷، ۶۵: اِن گنتیوں کو جب لفظوں میں لکھا جائے گا تو اِن میں نونِ غنّہ ضرور لکھا جائے گا: تینتیس، چونتیس، پینتیس، سینتیس، پینتالیس، سینتالیس، پینسٹھ۔

سیکڑا، سیکڑوں، سیکڑے: اِن تینوں لفظوں میں نونِ غنّہ موجود نہیں۔ اِن میں نونِ غنّہ نہیں لکھنا چاہیے۔

۶۹ سے ۸۰ تک کی گنتیوں میں سے کچھ میں ہائے مخلوط آتی ہے اور کچھ میں ہائے ملفوظ اور بعض میں ہ آتی ہی نہیں۔ اِن کو اِس طرح لکھنا چاہیے:

اُنھتّر، ستّر، اکھتّر، بہتّر، تہتّر، چوہتّر، پچھتّر، چھیتّر، ستتّر، اَٹھتّر۔

"پہلا" اور "دوسرا" سے لے کر "اٹھتّرواں" اور "اٹھتّرویں" تک اعدادِ ترتیبی لکھنے میں کچھ مشکل پیش نہیں آتی۔ البتّہ ۷۹ سے لے کر ۹۹ تک کے اعداد لکھنے میں کچھ اُلجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ اِن اعدادِ ترتیبی میں عدد کے بعد "واں" کو الگ لکھنا چاہیے، اِس طرح: اُناسی واں، اُناسی ویں، اسّی واں، اسّی ویں۔ اکیاسی واں، اکیاسی ویں (وغیرہ)۔

یہ بات دھیان میں رہے کہ اِن اعداد میں ی کی آواز بہت ہلکی ہو کر نکلتی ہے،

جیسے "اکیاسی واں" کا تلفّظ "اکیاسِ واں" کیا جاتا ہے؛ مگر اُس ی کو لکھا ضرور جائے گا۔

زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ اِن اعداد کو اِس طرح لکھا جائے کہ عدد کو ہندسے کی صورت میں لکھ کر "واں" اور "ویں" کو اُس کے ساتھ لکھا جائے، جیسے: ۸۱ واں، ۸۲واں، ۹۲واں، ۹۲ویں (وغیرہ)۔ اِس سے لکھنے اور پڑھنے دونوں میں آسانی ہوگی۔ سو کے بعد کے اعدادِ ترتیبی کو بھی اِسی طرح لکھنا مناسب ہوگا، مثلاً ۱۰۵واں، ۲۰۷واں وغیرہ۔ اِسی طرح ۱۰۵ویں، ۲۰۷ویں وغیرہ۔

اُناسی، پچّاسی، پچّانوے، ننّانوے؛ اِن گنتیوں کو اِسی طرح لکھنا چاہیے۔ کبھی اِن میں ی شامل کر دی جاتی ہے یعنی اِن کو پچیاسی، پچیانوے وغیرہ لکھا جاتا ہے؛ یہ ٹھیک نہیں۔

"چھے" کو پہلے "چھہ" بھی لکھا جاتا تھا۔ اب کچھ لوگ "چھ" لکھتے ہیں؛ مگر یہ تو کوئی لفظ ہی نہیں ہوا۔ مثلاً ایک لفظ ہے "پوچھ"، اِس میں آخری ٹکڑا "چھ" ہے۔ اِس طرح تو اِسے لکھ سکتے ہیں، مگر یہ مستقل لفظ کے طور پر تو نہیں آسکتا۔

مختصر یہ ہے کہ اب اِس کو "چھے" لکھنا چاہیے۔ چھیوں، چھیاسٹھ، چھیتّر، چھیاسی، چھیانوے؛ سب میں "چھے" کی ی باقی رہتی ہے۔
"چھے" سے "چھماہی" بنا ہے، جیسے: رسم ہے مُردے کی چھماہی ایک۔

لفظوں کو الگ الگ لکھنا

دو مستقل لفظوں کو الگ الگ لکھنا چاہیے۔ ہمارے بہت سے بزرگ اب سے پہلے عام طور پر لفظوں کو ملا کر لکھا کرتے تھے۔ اردو میں شوشے جوڑ، نقطے، حرفوں کی بدلتی ہوئی شکلیں؛ یہ سب کچھ اِس قدر اور اس طرح ہے کہ پڑھنے والوں کو ایک اور آزمائش میں ڈالنا کسی طرح مناسب

نہیں۔ لکھنے اور پڑھنے، دونوں کی آسانی اِس میں ہے کہ لفظوں کو ملا کر نہ لکھا جائے۔ ایک پڑھا لکھا آدمی "نیکبخت"، کے پڑھنے میں شاید کسی اُلجھن سے دوچار نہ ہو، لیکن طالب علموں کو اور عام آدمیوں کو اِس کے پڑھنے میں اور پڑھنے سے زیادہ لکھنے میں اُلجھن ہوگی۔

اِس اصول کو ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھنا چاہیے کہ ایسے مرکب لفظ، جو دو یا زیادہ لفظوں سے مل کر بنے ہوں، اُنھیں الگ الگ لکھا جائے۔ خواہ وہ دونوں اسم ہوں، جیسے: خوب صورت، کہ اِس کو "خوبصورت"، نہیں لکھنا چاہیے۔ خواہ ایک فعل ہو اور ایک اُس کا لاحقہ ہو، جیسے: جائے گا، کہ اِس کو "جائیگا"، لکھنا مناسب نہیں۔

(۱) فعل کے ساتھ جو لاحقے آتے ہیں، اُن کو ملا کر نہیں لکھنا چاہیے، جیسے:
آئے گا، جائے گا، پڑھے گی، دیکھیں گے، کہہ رہا ہے، کہہ دیا تھا۔

(۲) فعل سے پہلے اگر "نہ"، ہو، تو اُس کو الگ لکھنا چاہیے: نہ کرو، نہ جاؤ نہ دیکھو، نہ کرتے۔

(۳) اسموں کے ساتھ جو سابقے آتے ہیں، اُن کو بھی الگ لکھنا چاہیے، مثلاً
(الف) ان جان، ان پڑھ، ان دیکھی، ان گنت، ان گھڑ، ان داتا، ان مول، ان ہونی، ان گنا برس، ان کہی۔

(ب) بے اثر، بے باق، بے باک، بے باکی، بے بدل، بے بسی، بے تاب، بے تامّل، بے جان، بے دام، بے دماغ، بے خوابی، بے درد، بے چارگی، بے قرار، بے حس، بے حیا، بے مروّت، بے کسی۔

(ج) بہ نظرِ اصلاح، بہ رنگِ غالب، بہ عافیت، بہ صد ادب، بہ ذاتِ خود، بہ ہر صورت، بہ ہر حال، بہ موجب، بہ خدا، بہ خیر و عافیت، بہ ہزار دقّت، بہ مشکل، بہ غور، بہ قدرِ ضرورت۔

"بہ"، کسی بھی معنی میں آئے، اِسے علاحدہ لکھنا چاہیے۔ ہاں جن لفظوں میں بہ کلمہ لفظ کا جزو بن چکا ہے اور ترکیب کی حیثیت نمایاں نہیں رہی،

بل کہ اب وہ ایک لفظ کے طور پر استعمال میں آتے ہیں، اُن کو اُسی طرح لکھنا چاہیے جس طرح عام پر لکھا جاتا ہے۔ ایسے مستثنا لفظوں میں یہ لفظ خاص طور پر سامنے آتے ہیں: بہم، بغیر، بعینہٖ، بفضلہٖ، بجز، بجائے۔ باقی سب مرکبات میں "بہ" کو الگ لکھنا چاہیے۔

(د) دو لفظوں کے درمیان بھی "بہ" آتا ہے، وہاں بھی اِسے الگ لکھنا چاہیے، جیسے: ماہ بہ ماہ، دم بہ خود، جاں بہ لب، سر بہ سجدہ، تن بہ تقدیر، نام بہ نام، رنگ بہ رنگ، لحظہ بہ لحظہ، نو بہ نو، صحرا بہ صحرا، پا بہ گل، کو بہ کو، شہر بہ شہر، ملک بہ ملک۔

(۲) ہم وطن، ہم زبان، ہم عصر، ہم نشیں، ہم سبق، ہم سِن، ہم شکل، ہم سفر، ہم صفیر، ہم دگر، ہم رکاب، ہم پایہ، ہم سر، ہم جنس، ہم دوش، ہم قوم، ہم رنگ، ہم نام۔

(۳) شہ زور، شاہ زادہ، شہ زادہ، شاہ باز، شاہ رخ، شاہ جہاں، شاہ کار، شاہ راہ، شہ تیر، شہ پر، شہ سوار، شہ رگ۔

(۴) بیش تر، کم تر، خوش تر، پیش تر۔

(۵) ان کو، اس کو، تجھ کو، تجھ سے، مجھ سے، مجھ کو، اس سے، اس میں، جس کو، جس سے، ان کا، جس کا، جن کا، ان کے، جن کے، مجھ پر، تم پر، میں نے، اس وقت۔

(۶) توپ خانہ، مے خانہ، بت خانہ، ڈاک خانہ، کتاب خانہ، پری خانہ، مہمان خانہ، دولت خانہ، جیل خانہ۔

(۷) خاص دان، پان دان، نمک دان، روشن دان، گل دان، شمع دان، قلم دان، آتش دان۔

(۸) دانش مند، عقل مند، سعادت مند، فتح مند، غیرت مند، دولت مند، احسان مند۔

(۹) فن کار، قلم کار، خام کار، دست کاری۔

(۱۰) غارت گر، ستم گر، بازی گر، صورت گر، قلعی گر، خدمت گار، کام گار، ستم گار، گناہ گار، گنہ گار، فسوں گر۔

مرکّبات کی قسمیں بہت ہیں، یوں سب کو یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ بس یہ اصول سامنے رہنا چاہیے کہ ممکن حد تک دو لفظوں کو ملا کر نہ لکھا جائے۔ جو مرکّبات اب استعمال میں آ کر مفرد لفظ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، اُن کو ملا کر لکھا جا سکتا ہے، باقی سب لفظوں کو الگ الگ لکھنا چاہیے۔ مثلاً ایک مرکّب "گل بدن" ہے، اِسے اگر "گلبدن" لکھا جائے، تو طالب علموں کو اِس کے پڑھنے میں اور پھر اِس کے لکھنے میں ضرور دقّت ہوگی، "گُل بدن" پڑھنے میں بھی واضح ہے اور لکھنے میں بھی آسان ہوگا۔ پڑھنے کی آسانی اور لکھنے کی آسانی کو ہر وقت سامنے رہنا چاہیے۔

تشدید

جن حرفوں پر تشدید ہو، وہاں تشدید لکھنا ضروری ہے۔ مثلاً: شدّت، مدّت، ادّا، جبّار، ستّار، شجاع الدّولہ، متعدّد، متعلّم، متاثّر، تامّل تفکّر، شبّیر، تجمّل، تجسّس، تحمّل، بہتّر۔

کچھ لکھنے والوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ لکھتے چلے جائیں گے، نہ تشدید لگائیں گے اور نہ اضافت کے زیر، یہ بُری عادت ہے۔

اضافت کا زیر

تشدید کی طرح اضافت کا زیر لگانا بھی ضروری ہے۔ جہاں جہاں اضافت ہو، وہاں اضافت کا زیر لازماً لگانا چاہیے، جیسے: صبحِ عید، زندگیِ فانی، رعنائیِ خیال، شئے دیگر، ذکرِ خیر۔

اضافت کا زیر لگانا یوں بھی ضروری ہے کہ اِس سے ہمیں بہت سے مرکّب

لفظوں کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ میں ایک مثال سے اِس کی وضاحت کروں گا۔

"سرورق" (اضافت کے بغیر) اور "سرِ ورق" (مع اضافت) دو مختلف لفظ ہیں۔ اِن کے معنی بھی الگ الگ ہیں۔ جب "سرِ ورق" (اضافت کے ساتھ) کہا جائے گا، تو اُس کے معنی ہوں گے: کسی صفحے کی پہلی سطر مثلاً کسی خط میں یا کسی کتاب میں سب سے پہلے "یا اللہ" لکھا ہوا ہے، تو کہا جائے گا کہ سرِ ورق یا اللہ لکھا ہوا ہے۔

اِس کو ایک اور مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ کوئی شخص یہ کہے کہ اُن کا نام تو سرِ فہرست لکھا ہوا ہے، تو اُس کا مطلب یہ ہو گا کہ فہرست میں سب سے اوپر، یعنی سب سے پہلے وہ نام لکھا ہوا ہے۔

"سرورق" (اضافت کے بغیر) جب کہا جائے گا، تو اُس کے معنی ہوں گے: کتاب کا پہلا ورق۔ اِن دونوں لفظوں کے استعمال میں اِس فرق کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے۔ اگر یہ کہا جائے کہ "اِس کتاب کا سرِ ورق تو خراب ہے" تو کہا جائے گا جملہ غلط ہو گیا۔ "سرورق" (اضافت کے بغیر) کہنا چاہیے تھا۔

اِس کی وجہ بھی سمجھ لیجیے۔ "سرِ ورق" میں اضافت ہے۔ اضافت کا مطلب ہوتا ہے دو مختلف لفظوں میں کسی طرح کا تعلق پیدا کرنا۔ اِس کی ظاہری پہچان یہ ہوتی ہے کہ پہلے لفظ کے آخری حرف کے نیچے زیر لگایا جاتا ہے۔ اِسے "اضافت کا زیر" کہتے ہیں۔ جیسے: صبحِ عید، شامِ غم، شبِ ماہ۔

اِس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیجیے کہ پہلے لفظ کو "مُضاف" اور دوسرے لفظ کو "مضاف اِلیہ" کہتے ہیں۔ مثلاً "صبحِ عید" کے معنی ہیں: عید کی صبح اِس میں "صبح" مضاف ہے اور "عید" مضاف اِلیہ ہے۔ اور "عید" کی دال کے نیچے جو زیر ہے، وہ اضافت کا زیر ہے۔ یاد رکھیے کہ اضافت کے زیر کو پڑھا بھی ضرور جائے گا اور لکھا بھی ضرور جائے گا۔ اگر آپ نے "صبح عید" لکھا اور پڑھا "صبحِ عید"، تو کہا جائے گا کہ تلفّظ تو ٹھیک ہے،

مگر لکھاوٹ میں ایک کمی رہ گئی: "صبحِ عید" لکھنا چاہیے تھا، یعنی ح کے نیچے اضافت کا زیر ضرور لگانا چاہیے تھا۔ اِس مرکب کو "مرکبِ اضافی" کہتے ہیں۔

"سرِورق" میں بھی پہلا لفظ "سر" مضاف ہے اور دوسرا لفظ "ورق" مضاف الیہ ہے۔ "سر" کی رَ کے نیچے اضافت کا زیر ہے۔ اِس کے معنی ہیں: ورق کا سر، یعنی اوپر کا حصّہ۔ لفظِ "سَر" سے ایسے کئی مرکّب بنتے ہیں، جیسے: سرِفہرست، سرِمحفل، سرِبزم، سرِمشاعرہ، سرِبالیں، سرِ کارواں۔

اضافت کی ایک اور قسم ہوتی ہے جسے "اضافتِ مقلوب" کہتے ہیں۔ "مقلوب" کے معنی ہیں: پلٹا ہوا۔ اِس میں "مضاف" پہلے آنے کے بجائے بعد میں آتا ہے اور "مضاف الیہ" پہلے آتا ہے، یعنی لفظوں کی ترتیب بدل جاتی ہے، انھیں پلٹ دیا جاتا ہے۔ جب ترتیب بدل جاتی ہے، تو اضافت کا زیر اپنے آپ ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ جس لفظ کے آخر میں زیر آتا ہے، وہ لفظ تو خود آخر میں آگیا، اب زیر کہاں آئے گا۔ مثال کے طور پر "ہردل عزیز" کو دیکھیے۔ اِس کی اصلی شکل ہے "عزیزِ ہردل" (ہر دل کا عزیز، جس کو سب عزیز رکھیں)۔ اضافتِ مقلوب نے اِسے "ہردل عزیز" بنا دیا۔ اردو میں ایسے مقلوب مرکّبات بڑی تعداد میں مستعمل ہیں، جیسے: سیلاب (آبِ سیل)، جیل خانہ، قید خانہ (خانۂ قید)، زہراب (آبِ زہر)، غم خانہ، عزاخانہ، مال خانہ، آتش خانہ۔

اب یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ "سرورق" میں اضافتِ مقلوب ہے۔ اصل میں "ورقِ سر" تھا (اوپر کا ورق، سب سے پہلا ورق)، یہ مقلوب ہو کر "سرورق" ہو گیا۔ لفظوں کی ترتیب بدل گئی، تو اضافت کا زیر بھی ختم ہو گیا۔ اب اِس معنی میں اگر کوئی شخص "سرِورق" (مع اضافت) کہے تو یہی کہا جائے گا کہ اِس معنی میں یہ لفظ صحیح نہیں۔

ایسا ہی ایک لفظ ہے "پس منظر"۔ یہ دراصل انگریزی لفظ "بیک گراؤنڈ"

کا ترجمہ ہے۔ اِس کا مُتضاد "پیشِ منظر" ہے۔ دونوں میں اضافتِ مقلوب ہے۔ جس طرح "پیشِ منظر" کہنا درست نہیں، اُسی طرح "بیک گراؤنڈ" کے مفہوم میں "پسِ منظر" کہنا بھی صحیح نہیں۔ "پس منظر" (اضافت کے زیر کے بغیر) کہنا چاہیے۔

ہماری ایک مشکل یہ ہے کہ ہم لوگ عام پر سائنسی اندازِ نظر سے دور بھاگتے ہیں۔ اِس کی بہت اچھی مثال ہماری تحریروں میں ملتی ہے۔ جس طرح ہم عام طور پر مُشدّد حرفوں پر تشدید لکھنا ضروری نہیں سمجھتے، اُسی طرح اضافت کے زیر لگانے کی بھی عادت نہیں۔ ہماری اکثر تحریریں پُرانے حکیم صاحبان کے لکھے ہوئے نسخے ہوتے ہیں، جن میں حکیم صاحب نے اگر "گُلِ بنفشہ" لکھا ہے، تو "گل" کے گاف پر دو مرکز لگانا ضروری نہیں سمجھا اور "بنفشہ" میں سب نقطے نہیں ملیں گے۔ کسی کو خط لکھا جائے اور اُس میں اِن کی پابندی نہ ہو، تو خیر، صبر کیا جا سکتا ہے؛ مگر ہمارا حال تو یہ ہے کہ چھپی ہوئی کتابوں میں بھی اِن کی پابندی نہیں ملتی۔ ہمارے طالب علموں کو نصاب کی جو کتابیں پڑھنے کو ملتی ہیں، اُن کا حال بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ بڑے ستم کی بات ہے۔

خیر، جو لوگ نصابی کتابیں تیار کرتے ہیں، یا وہ لوگ جو اُن کی کتابت اور صحّت کا اہتمام کرتے ہیں، اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیجیے۔ خدا ہی اُن کو ہدایت دے تو دے، میری آپ کی بات تو وہ سُننے سے رہے۔ ہاں، آپ اب یہ طے کر لیجیے کہ آپ جب بھی کچھ لکھیں گے، وہ خط ہو، مضمون ہو، کچھ بھی ہو؛ تو آپ اضافت کے زیر ضرور لگائیں گے اور مشدّد حرفوں پر تشدید بھی لازماً لگائیں گے۔ اِس سے یہ فائدہ بھی ہوگا کہ آپ کو یہ معلوم ہوتا رہے گا کہ کس لفظ میں کس حرف پر تشدید ہے اور اضافت کا زیر کہاں آئے گا۔ اِس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا رہے گا کہ اضافت کا زیر کہاں نہیں آئے گا۔

ذرا دیر کے لیے مان لیجیے کہ آپ نے سیماب اکبر آبادی کا یہ شعر لکھا۔

جلوہ شمع حرم ہو یا چراغ طاق دیر
ہم کو دونوں سے تعلق ہے کہ ہیں پروانہ ہم

تو ہم کہیں گے کہ آپ نے ایک اچھے شعر کو بری طرح لکھا۔ اِس طرح لکھنا چاہیے تھا:

جلوۂ شمعِ حرم ہو یا چراغِ طاقِ دَیر
ہم کو دونوں سے تعلّق ہے کہ ہیں پروانہ ہم

(جلوۂ۔ شمعِ۔ چراغِ۔ طاقِ۔ تعلّق)۔

یا مثلاً یہ بے مثال نعتیہ شعر اِس طرح لکھا گیا:

رخ مصطفی ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

تو کہا جائے گا کہ کیسے اچھے شعر کو کس قدر بے پروائی کے ساتھ اور کس قدر غلط طریقے سے لکھا گیا ہے۔ پہلے اُن غلطیوں کو دیکھیے: "مصطفی" میں ی پر چھوٹا سا الف لکھنا چاہیے تھا۔ دوسرا لفظ "آئینہ" ہے۔ یہ لفظ تین جگہ آیا ہے اور تینوں مقامات پر "آئنہ" لکھنا چاہیے تھا۔ "آئینہ" نے تو شعر کو بے وزن بنادیا۔ "بزم خیال" کو اضافت کے زیر کے ساتھ "بزمِ خیال" لکھنا چاہیے تھا۔

لفظ "دکان" ہے، اِس کے لکھنے میں دو غلطیاں ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ اِسے "دوکان" لکھا گیا اور دوسرے یہ کہ "رخ" اور "دکان" میں اضافت کا زیر نہیں لگایا گیا۔ اِس شعر کو یوں لکھنا چاہیے تھا:

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئنہ کہ اب ایسا دوسرا آئنہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دکانِ آئنہ ساز میں

اور ہاں، دوسرے مصرعے میں جہاں کاما لگایا گیا ہے، وہ بھی ضروری ہے۔
ایک اور مثال، داغؔ کا مشہور شعر ہے:

رہ روِ راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

اِس کو یوں لکھنا چاہیے تھا:

رہ روِ راہِ محبّت کا خدا حافظ ہے
اِس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

(رہ روِ۔ راہِ۔ محبّت۔ اِس)۔

مرکّب کی ایک قسم اور ہوتی ہے جسے "مرکبِ توصیفی" کہتے ہیں۔ اِس میں پہلا لفظ "موصوف" ہوتا ہے اور دوسرے لفظ کو "صفت" کہتے ہیں۔ موصوف پہلے آتا ہے اور مُضاف کی طرح اُس کے بھی آخری حرف کے نیچے زیر ہوتا ہے، جیسے: شبِ تاریک۔ اِس کے معنی ہیں: اندھیری رات۔ "شب" موصوف ہے اور "تاریک" اُس کی صفت ہے۔ موصوف کے نیچے زیر لگانا ضروری ہے۔ مردِ نیک، عادتِ بد، شاعرِ باکمال، روزِ روشن، شبِ تاریک، چشمِ روشن، شمشیرِ تیز، یہ سب مرکبِ توصیفی ہیں۔

دلِ ناداں! تجھے ہوا کیا ہے.
آخر اِس درد کی دوا کیا ہے!

"دلِ ناداں" مرکبِ توصیفی ہے۔ "دل" موصوف، "ناداں" صفت۔

اعراب

اعراب سے مراد ہیں زبر، زیر، پیش اور جزم۔ اِن کو "حرکات و سکنات" بھی کہتے ہیں؛ مگر وہ مشکل لفظ ہے، اِس لیے اِعراب کہا جاتا ہے۔ اُردو میں عام طور سے لفظوں پر زبر، زیر لگانے کا رواج نہیں۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے لفظوں میں اِس کی ضرورت نہیں ہوتی؛ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ بہت سے ایسے لفظ ہیں جن کو اگر زبر، زیر، پیش کے ساتھ لکھا جائے، یعنی ضروری حرفوں پر حرکات ہوں، تو پڑھنے میں آسانی ہو گی۔ میں ایک مثال سے اِس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ میرؔ کا بہت مشہور شعر ہے:

دلّی کے نہ تھے کوچے، اوراقِ مصوّر تھے
جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی

پہلے مصرعے میں "مصوّر"، بہ ظاہر مشکل لفظ نہیں، لیکن طالبِ علم ایک مشکل سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ اِس لفظ کو دو طرح پڑھا جا سکتا ہے: مُصوِّر، مُصوَّر دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ اگر اِس لفظ میں واو پر حرکت ہوتی، تو آسانی کے ساتھ اسے صحیح طور پر پڑھا جا سکتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ شعر کے معنی بھی اچھی طرح ذہن میں آسکتے تھے۔

خیر، یہ تو زیادہ مشکل لفظ نہیں تھا؛ اِس سے بھی زیادہ مشکل لفظ سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اِس شعر کو دیکھیے:

دوزخ سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جُھکا نہیں آگے کنشت کے

دوسرے مصرعے میں "کنشت"، آیا ہے۔ طالبِ علم تو کیا، اچھے خاصے خواندہ شخص کے لیے، لُغت دیکھے بغیر اِس لفظ کا صحیح تلفّظ معلوم کرنا مشکل ہے۔ اگر اِس لفظ کو حرکات کے ساتھ لکھا جاتا، تب ہر شخص اِس کو صحیح طور پر پڑھ سکتا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ تحریر میں اگر کوئی مشکل لفظ آئے یا ایسا لفظ ہو جسے دو طرح پڑھا جا سکتا ہے، ایسی صورت میں یہ مناسب ہوگا کہ ضروری حرفوں پر زبر، زیر، پیش، جزم ضرور لگا دیے جائیں۔ جو کتابیں نصاب میں شامل کرنے کے لیے مرتّب کی جائیں، اُن میں تو اِس طریقۂ کار کو اختیار کرنا ازبس ضروری، بل کہ لازم ہے۔

علامتیں

ایسے لفظ بھی عبارت میں آتے ہیں جن کے متعلق پڑھنے والے کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُس میں واو معروف ہے یا مجہول۔ اور اگر ی ہے تو وہ مجہول

ہے یا معروف۔ معروف اور مجہول آوازوں کی طرح کچھ لفظوں میں نونِ غنّہ کی آواز بھی اُلجھن میں ڈال سکتی ہے۔ اِسی لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ایسے لفظوں کو اِس طرح لکھا جائے کہ پڑھنے والا آسانی کے ساتھ اُنھیں صحیح طور پر پڑھ سکے۔ علامتیں اِسی لیے بنائی گئی ہیں کہ اُن کی مدد سے لفظوں میں معروف و مجہول اور غنّہ آوازوں کو ظاہر کیا جا سکے۔

(۱) معروف واؤ کی پہچان کے لیے اُس کے اوپر اُلٹا پیش لگانا چاہیے، جیسے: طوٗر، نوٗر، دوٗر، چوٗر۔

(۲) مجہول واؤ کے لیے اُس سے پہلے جو حرف ہو، اُس پر پیش لگانا چاہیے، جیسے: چُور، گُور، شُور، مُوڑ، کُوٹ۔

(۳) واؤ سے پہلے والے حرف پر اگر زبر ہو، تو زبر لگا دینا چاہیے، جیسے: جَور، غَور، دَوڑ، فَوق۔

(۴) کچھ لفظ ایسے ہیں جن میں واؤ لکھا تو جاتا ہے، مگر پڑھنے میں نہیں آتا، جیسے خود، خوش۔ اِس واؤ کو "واوِ معدولہ" کہتے ہیں۔ اگر کبھی کسی خاص لفظ میں ضرورت سمجھی جائے تو اِس واؤ کے نیچے ایک چھوٹی سی لکیر بنا دی جائے، جیسے: خوٖیش، خوٖر و نوش، خوٖردنی۔

(۵) لفظ کے بیچ میں معروف ی ہو، تو ضرورت پڑنے پر اُس کے نیچے ایک کھڑی لکیر بنا دی جائے، جیسے: پیٖت، بیٖٹ، تعیٖین، تغییٖر، ہیٖت (لفظ کے آخر میں پوری ی لکھی جاتی ہے، جیسے: دی، جی)

لفظ کے بیچ میں مجہول ی ہو، تو اُس سے پہلے والے حرف کے نیچے زیر لگا دیا جائے، جیسے: بِیر، چِیت، بِیٹ، مِیلا، شِیر۔

(۶) یائے لین (وہ ی جس سے پہلے والے حرف پر زبر ہو، جیسے: غَیب) سے پہلے جو حرف ہو، اُس حرف پر زبر لگا دیا جائے، جیسے: بَیر، غَیر، جَولانی، سَیر، مَیل۔ (لفظ کے آخر میں یائے لین اور یائے مجہول ے کی شکل میں لکھی جاتی ہیں، جیسے: دِے، کَے، نَے، لَے، سے۔

(۷) نونِ غنّہ جب لفظ کے آخر میں آتا ہے، تو اُس پر نقطہ نہیں رکھا جاتا

بھی اُس کی پہچان ہے، جیسے: جہاں، کہاں، عیاں۔
(۸) جب لفظ کے بیچ میں آتا ہے، تو اُس کے اوپر اُلٹا قوس بنادیا جاتا ہے، جیسے: بھنْور، کنْول، گانْو، پانْو، چھانْو، مُنْہناں، سنْبھلی، منْجھلا۔ جو علامتیں اوپر لکھی گئی ہیں، اُن کے سلسلے میں اِس بات کو اچھّی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اُن کو بے ضرورت استعمال میں نہ لایا جائے۔ اکثر لفظوں سے عام طور پر لوگ واقف ہوا کرتے ہیں اور اُن کے تلفّظ کو سمجھنے میں مشکل پیش نہیں آتی۔ ایسے لفظوں میں علامتوں کو لکھنا ضروری نہیں۔ زیادہ زبر، زیر، پیش یا علامتیں لگانے سے عبارت بوجھل ہو جاتی ہے اور آسانی کے بجائے کبھی کبھی اُلجھن پیدا ہونے لگتی ہے۔ ہاں جہاں واقعی ضرورت ہو، وہاں حرکات بھی لگانا چاہیے اور علامتوں سے بھی کام لینا چاہیے اور اِس کو لازم سمجھنا چاہیے۔
(۹) تشدید بھی ایک طرح کی علامت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے یہاں ایک حرف دو بار تلفّظ میں آئے گا۔ اِس کو لازمی طور پر ہر جگہ لکھنا چاہیے۔
(۱۰) تشدید کی طرح مد بھی علامت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک الف کو دو الف کے برابر پڑھا جائے گا۔ جیسے: آتش، آبشار۔ اِس علامت کو بھی لازمی طور پر لکھا جائے گا۔

رُموزِ اَوقاف

"اَوقاف"، اُن علامتوں کو کہتے ہیں جن سے جملوں اور جملوں کے مختلف ٹکڑوں کو صحیح طور پر پڑھنے میں اور اُن کا مطلب سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اِن سب علامتوں کو پابندی کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے۔

	اردو نام	انگریزی نام	علامت
۱	سکتہ (کاما)	COMMA	،
۲	وقفہ	SEMICOLON	؛
۳	رابطہ	COLON	:

۴	ختمہ	FULLSTOP OR PERIOD	۔
۵	سوالیہ	NOTE OF INTERROGATION	؟
۶	ندائیہ، فجائیہ	NOTE OF EXCLAMATION	!
۷	قوسین	PARENTHESES	( ) - [ ]
۸	واوین	INVERTED COMMAS	" "

(۱) سکتہ :

اِس کا انگریزی نام "کاما" زیادہ مشہور ہے۔ کاما کا استعمال بہت ضروری ہے۔ اِس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عبارت کے ٹکڑے اِس طرح الگ نظر آتے ہیں کہ مطلب روشن ہو جاتا ہے۔ کاما خاص کر ایسے موقعوں پر آتا ہے :

(الف) جب دو یا زیادہ ایک ہی قسم کے کلمے ایک ساتھ آئیں۔ ایسی صورت میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک یا دو لفظوں کے بیچ میں کاما آتا ہے اور آخری لفظ سے پہلے "اور" یا "یا" آتا ہے۔ جیسے : وہ شخص تو بہت مکّار، دغاباز اور بے ایمان ہے۔ یہ کتاب مفید، دل چسپ اور آسان ہے۔ تم تربوز، خربوزے یا کوئی اور پھل لیتے آنا۔

(ب) ندائیہ لفظوں کے بعد، جیسے : جنابِ صدر، خواتین وحضرات! اے ماؤ، بہنو، بیٹیو!۔

(ج) مختلف ٹکڑوں کے بیچ میں، جیسے : صبح ہو کہ شام، دن ہو کہ رات، خدا کو یاد کرنا چاہیے۔ آندھی ہو کہ پانی، روشنی ہو یا اندھیرا، تنہائی ہو یا محفل؛ ہر عالم میں خدا کو یاد کرتے رہنا چاہیے۔

(ج) ایک ہی ڈھنگ کے جملوں کے بیچ میں، جیسے : میں یہاں آیا، وہاں گیا، غرض دن بھر پھرتا رہا۔ کھیلنے کے وقت کھیلو، پڑھنے کے وقت پڑھو۔ جس نے اُس سے جھگڑا کیا، وہ پریشانی میں پڑا۔ اُن کو یہاں سب کچھ مل جاتا ہے پھر وہ کہیں اور کیوں جائیں۔

(د) دو ناموں کے درمیان، جیسے : ہمایوں، ایران سے واپس آیا تھا۔ شعر العجم، مولانا شبلی کی تصنیف ہے، حالی، مسدس کے مصنف ہیں، ایران، افغانستان

سے الگ ایک ملک ہے۔
(ھ) اشعار میں ایسے مقامات پر کاما ضرور لگانا چاہیے جہاں لفظ آگے پیچھے ہو گئے ہوں، یا ٹکڑوں کو الگ الگ کر دینے سے مطلب واضح ہو سکتا ہو، جیسے:

غم رہا، جب تک کہ دم میں دم رہا

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں، کیا صورتیں ہوں گی، کہ پنہاں ہو گئیں

دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گذر پہ ہم، غیر ہمیں اٹھائے کیوں

نہیں بہار کو فرصت، نہ ہو، بہار تو ہے

نقش، فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا

(۲) سیمی کولن [؛] :
کاما چھوٹے ٹھہراو کو ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے۔ جب زیادہ ٹھہراو کا محل ہو، تو "وقفہ"، یعنی سیمی کولن [؛] لگانا چاہیے۔
(الف) جب کئی لفظوں یا ٹکڑوں کے درمیان کاما ہو، اُس صورت میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آخری لفظ یا ٹکڑے کے بعد لمبے وقفے (ٹھہراو) کا محل معلوم ہوتا ہے؛ ایسے موقعوں پر آخری لفظ یا ٹکڑے کے بعد سیمی کولن لانا چاہیے۔ جیسے: سچائی، خلوص، ایمان داری؛ اِن سب کی ضرورت اُن کو نہیں۔ دہلی، بمبئی، مدراس؛ یہ سب شہر میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ شبلی کی الفاروق، محمد حسین آزاد کی آبِ حیات، نذیر احمد کی ابن الوقت؛ یہ سب کتابیں پڑھنے کے قابل ہیں۔ حیدر آباد، میسور، ٹراونکور، جنوبی ہند کی؛ بھوپال، گوالیار اور اندور، وسطِ ہند کی ریاستیں تھیں۔ جو کرے گا، سو پائے گا؛

جو بوئے گا، سو کاٹے گا۔

(۳) رابطہ (کولن) :

کسی کا قول نقل کیا جائے، کسی اقتباس کو لکھا جائے، نظم یا نثر کی تشریح کی جائے، کسی کا مصرع یا شعر نقل کیا جائے، الفاظ کے معنی لکھے جائیں، ایسے موقعوں پر اِس علامت کو استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: ہندستان کے مشہور شاعر یہ ہیں: میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ، انیسؔ، نظیرؔ اکبرآبادی۔ مومنؔ کا یہ شعر: تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مجھے اب تک یاد ہے۔ غالبؔ نے ایک خط میں لکھا ہے: مغل کے لہجے کی نقل نہ کرو۔

دُزد: چور — اسراف: فضول خرچی۔

(۴) ختمہ (ڈیش) :

جملے کے خاتمے پر ڈیش لگایا جاتا ہے، جیسے: میں وہاں گیا تھا۔

(۵) واوین [" "] :

جب کسی کا قول اُسی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے، تو اُس کے شروع میں اور آخر میں یہ علامت لاتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ یہ حصّہ باقی عبارت سے الگ ہے اور کسی دوسرے سے تعلّق رکھتا ہے۔ اِسی طرح جب کسی مشہور شعر کے ٹکڑے کو، کسی خاص ترکیب کو یا نثر کے کسی خاص ٹکڑے کو اپنی عبارت میں لاتے ہیں، تو اُس کو ممتاز کرنے کے لیے واوین میں مقیّد کر دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی لفظ یا الفاظ کے مجموعے کو ایک خاص معنی میں لایا گیا، یا ایک خاص طرح استعمال کیا گیا اور پڑھنے والوں کی توجّہ اُس کی طرف مبذول کرانا ہے؛ اِس صورت میں بھی اُس لفظ یا اُن الفاظ کو واوین کے اندر لکھتے ہیں۔ کبھی بعض اصطلاحوں کو واوین میں لکھا جاتا ہے۔

(۶) ندائیہ [!] :

جب یہ علامت منادا کے بعد آتی ہے، تو اِسے "ندائیہ" کہتے ہیں۔ حرفِ ندا کبھی عبارت میں ہوتا ہے، جیسے: اے دوست! خدایا! ۔ کبھی عبارت میں نہیں ہوتا، جیسے: لڑکو! یہاں آؤ۔ حامد! تم کہاں جا رہے ہو۔

جب توقّع ہی اُٹھ گئی غالب!

جب یہ علامت اُن لفظوں یا جملوں کے بعد آتی ہے جن سے کوئی جذبہ، جیسے: غصّہ، حقارت، نفرت، خوف، غم، تعجب ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے، تب اِسے "فجائیہ" کہتے ہیں۔ جیسے اُفوہ! سخت تکلیف ہے۔ بس صاحب! بس!! – وہ اور مروّت! افسوس صد افسوس! –

جن لفظوں سے تعریف ظاہر ہوتی ہے، اُن کے بعد بھی اِسے لکھتے ہیں، جیسے: واہ واہ! سُبحان اللہ!

(۷) سوالیہ [؟] :

اِسے "نشانِ استفہام" بھی کہتے ہیں۔ یہ علامت لفظ یا جملے کے آخر میں آتی ہے، اِس طرح: وہ آیا تھا؟ کون آیا تھا؟ کیا بات ہے؟

(۸) قوسین:

عام طور پر جملۂ معترضہ کو قوسین میں لکھا جاتا ہے، جیسے: احمد علی صاحب (جن کے بڑے بھائی تھانے دار ہیں) کل تم سے ملنے کے لیے آئے تھے۔

◯

علامتیں ایک اور طرح کی بھی ہوتی ہیں جن سے کسی خاص مفہوم کو پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے:

(۱) شاعروں کے تخلّص پر یہ نشان ـــ بنا دیا جاتا ہے، جیسے: جگرؔ، جوشؔ، فانیؔ، فراقؔ۔

عمر ساری تو کٹی عشقِ بُتاں میں مومنؔ!

تخلّص پر اِس نشان کو ضرور بنا دینا چاہیے۔

(۲) رح ـــ: بزرگوں کے نام کے اوپر اِسے لکھا جاتا ہے۔ پورا کلمہ "رحمتُ اللہ علیہ" ہے۔ اِس کے بجائے، اِس کا مخفّف رح لکھ دیتے ہیں، جیسے: حضرت عبدالقادرؒ جیلانی۔

(۳) رضؓ ـــ: یہ "رضی اللہ عنہ" کا مخفّف ہے، جیسے: حضرت ابوبکر صدیقؓ،

(۴) عم ــــ : یہ "علیہ السّلام" کا مخفف ہے۔ یہ علامت پیغمبروں کے نام کے ساتھ لکھی جاتی ہے، جیسے : حضرت ابراہیمؑ ۔

(۵) صلعم ــــ : یہ "صلّی اللہ علیہ وسلّم" کی مخفف صورت ہے۔ رسول اللہ کے نام کے ساتھ اِسے لکھتے ہیں۔

(۶) ﷺ ــــ : "صلعم" کی طرح یہ بھی "صلّی اللہ علیہ وسلّم" کی مخفف صورت ہے، جیسے : محمدﷺ، احمدﷺ۔ یہ مختصر ترین علامت ہے، اِس لیے اِس کو استعمال میں ترجیح حاصل رہنا چاہیے۔

(۷) خاص ناموں پر ایک خط کھینچ دیا جاتا ہے، تاکہ وہ عبارت میں نمایاں رہیں اور کسی طرح کا شبہہ پیدا نہ ہو، جیسے: شبلی کی کتاب الفاروق ہے۔ میں مدراس جاؤں گا۔ حامد صاحب آئے تھے۔ تاج محل، آگرے میں ہے۔

کبھی اعداد کے درمیان خط کھینچ دیتے ہیں، مراد یہ ہوتی ہے کہ اِس عدد سے لے کر اُس عدد تک یہ بیان پھیلا ہوا ہے، جیسے : "حروفِ علّت کا بیان : ۲ ــــ ۱۸"۔ مطلب یہ ہے کہ حروفِ علّت کا بیان صفحہ ۲ سے صفحہ ۱۸ تک پھیلا ہوا ہے۔

(۸) ع ــــ : یہ مصرعے کی علامت ہے۔ ایک ہی مصرع نقل کیا جائے اُس وقت مصرعے سے پہلے اِسے لکھتے ہیں، جیسے: آرزو لکھنوی کا ایک مصرع بہت اچھا تھا، ع : نشیمن کی بنا رکھوں، قفس تیار ہو جائے ۔ مرزا غالب نے کیا خوب کہا ہے، ع : کعبے کس مُنہ سے جاؤگے غالب!

(۹) ج ــــ : جلد کے لیے آتا ہے، جیسے : ج ۲، ص ۴۴ ۔ مطلب یہ ہے کہ کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۴۴ پر یہ بات لکھی ہوئی ہے۔

(۱۰) ص ــــ : صفحے کا نشان ہے۔ اِس کے لیے صہ بھی لکھتے ہیں۔ جب ص لکھتے ہیں تو صفحے کا نمبر شمار اُس کے آگے لکھا جاتا ہے، جیسے: شعرالعجم، ص ۴۴ ــــ اور جب صہ لکھتے ہیں، تو صفحے کا نمبر شمار اُس کے اوپر لکھا جاتا ہے، جیسے : صہ ۴۴ ۔

(۱۱) سہ — : پہلے اِس نشان کو شعر سے پہلے لایا جاتا تھا۔ یعنی کوئی شعر عبارت میں نقل کیا گیا تو اُس شعر سے پہلے، پہچان کے طور پر اِسے لکھا جاتا تھا۔

اب عام طور پر اِس کو متن میں اُس جگہ لکھا جاتا ہے، جہاں یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اِس سے متعلق کچھ ضروری باتیں حاشیے پر لکھی گئی ہیں۔ عبارت میں اِسے لکھ کر، حاشیے میں پھر اِسے لکھا جاتا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حاشیہ عبارت کے کس مقام سے تعلق رکھتا ہے۔ نمبر شمار کو اِس کے اوپر لکھتے ہیں، اِس طرح : ۲ہ، ۴ہ، ۶ہ۔

حاشیے کے نمبر شمار لکھنے کے لیے اِس شکل کے علاوہ ایک اور شکل ع کو بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ ہندسے اِس کے بھی اوپر لکھے جاتے ہیں، جیسے: ع۲، ع۴، ع۵۔

(۱۲) ؍؍ —— : یہ "ایضاً" کی علامت ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے، یہ اندراج بھی اُسی کے مطابق ہے۔ مثلاً شعر العجم سے ایک اقتباس درج کیا گیا۔ ذرا آگے چل کر پھر اُسی کتاب کا اقتباس پیش کیا گیا، تو پورا نام لکھنے کے بجائے "ایضاً" کی یہ علامت لکھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ اقتباس بھی، اوپر والے اقتباس کی طرح شعر العجم ہی کا ہے۔ قوسین میں اِس علامت کو لکھ کر اِس کے آگے صفحہ نمبر لکھ دیں گے، اِس طرح (؍؍ ص ۴۰)۔ مطلب یہی ہوا کہ یہ اقتباس بھی اُسی کتاب سے لیا گیا ہے، اور یہ اُس کتاب کے صفحہ نمبر ۴۰ پر موجود ہے۔

(۱۳) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ : جب کسی عبارت کا کوئی ٹکڑا نقل کیا جائے، مگر پوری عبارت کے بجائے اُس کے ضروری حصّوں ہی کو لکھا جائے؛ تو جہاں جہاں سے عبارت کم کی گئی ہے (خواہ وہ ایک لفظ کیوں نہ ہو) اُن سب مقامات پر کچھ نقطے رکھ دیے جائیں گے۔ یہ علامت ہوگی اِس بات کی کہ اِن مقامات پر کچھ لفظ یا عبارت کا کچھ حصّہ نقل نہیں کیا گیا۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شعر یا عبارت کے شروع کے چند لفظ لکھ کر، اُن کے آگے چند نقطے لگا دیے جاتے ہیں۔ مطلب اِس کا یہ ہوتا ہے کہ جس شعر یا عبارت کے لفظ لکھے گئے ہیں، وہ شعر یا عبارت مکمل طور پر مراد ہے۔ ایسا عموماً تکرار سے بچنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

کبھی عبارت کے شروع اور آخر کے چند لفظ لکھ کر، بیچ میں نقطے لگا دیے جاتے ہیں؛ مطلب اِس کا بھی یہی ہوتا ہے۔ یہ عبارت اور شعر یا تو پہلے آچکے ہوتے ہیں، یا پھر اِس قدر مشہور ہوتے ہیں کہ ذہن فوراً اُن کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ •

انشا اور تلفّظ

لفظ کس طرح لکھا جائے، یہ املا کا مسئلہ ہے۔ جملہ کس طرح لکھا جائے، یہ انشا کا مسئلہ ہے۔ عبارت کی خوبیوں اور خامیوں کا تعلّق بھی اِنشا سے ہوتا ہے۔ اِس لحاظ سے انشا کی بہت اہمیّت ہے۔

عبارت میں جو کچھ لکھا جائے گا، اُسے پڑھا بھی جائے گا؛ اِس طرح عبارت سے تلفّظ کا تعلّق خود بہ خود پیدا ہو جاتا ہے۔ لفظوں کا تلفّظ اگر درست نہیں ہوگا تو سُننے والوں پر بُرا اثر پڑے گا اور یہ ہر طالبِ علم اور طالبِ علم کیا، ہر شخص کے لیے شرم کی بات ہوگی کہ وہ لفظوں کو صحیح طور زبان سے ادا نہ کر سکے۔ جس طرح قلم کی زبان سے لفظوں کا صحیح املا سامنے آنا چاہیے، اُسی طرح ہماری زبان سے لفظوں کا صحیح تلفّظ ادا ہونا چاہیے۔

اِس کتاب میں طلبہ کے لیے انشا اور تلفّظ کے ضروری مسائل کو آسان زبان میں اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

اِنشا، اِملا اور تلفّظ

اِس کتاب میں طلبہ کے لیے خاص طور پر املا کے مسائل کو تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ صحیح اِملا معلوم کرنے کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ ساتھ ہی اِنشا اور تلفّظ سے متعلّق حصّے بھی اِس میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ اِس طرح اِس کتاب میں اِملا، اِنشا اور تلفّظ؛ تینوں اہم موضوعات سے متعلّق ایسے سبھی مسائل کو اور قاعدوں کو یک جا کر دیا گیا ہے جن سے واقف ہونا ہر اچھے طالبِ علم اور ہر کام یاب اُستاد کے لیے ضروری ہے۔